



شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

ادارۂ اسلامیات • لاہور

عقل اور مذہب کے درمیان باہمی تعلق کے نازک مسئلہ پر سیر حاصل بحث

لعقل والنقل

عقل سلیم، اور نقل صحیح میں اختلاف ممکن نہیں ! اور
کبھی عقل کی سلامتی یا نقل کی صحت میں قصور ہونے کی
وجہ سے اختلاف نظر آئے تو فیصلہ کا صحیح طریقہ

۱۸

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

== ناشر ==

ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی - لاہور

قیمت

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى۔ مذہب اسلام اور فلسفہ یونان میں جب جنگ ہوئی تو مسلمانوں نے علم کلام کے زبردست ہتھیاروں سے اس کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسلام کو ایسے مضبوط فصیلوں اور درندوں سے محفوظ کیا جن کے مقابلہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ فلعہ شکن توپیں بھی اپنا کوئی اثر نہ دکھلا سکیں۔

یہ کہنا بالکل مبالغہ سے خالی ہے کہ متکلمین نے مذہب کی سطح پر قائم رہ کر حجت و استدلال کے متعلق جو کچھ اصول اور قواعد وضع کئے ان سے تمام باطل توہمات کی نقلی کھل گئی۔

فلسفہ یونان کی طبع ساز یوں کا طسم ٹوٹا۔ معترضین کی ابلہ فریبوں کا پردہ فاش ہوا اور قیامت تک کے لئے مخالفین کی نکتہ چینیوں کا سد باب کر دیا گیا۔ لیکن افسوس کہ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ نظروں کی تسلی اس پر بھی نہ ہوئی اور وہ علم کلام کو آج کل کی ضروریات کے حق میں ناکافی ہی سمجھتے رہے۔

ابھی کچھ عرصہ ہوا یورپ سے یہ صدا اٹھی کہ علوم جدیدہ نے تمام مذاہب کی بنیادوں میں تزلزل پیدا کر دیا ہے اور مختلف ادیانِ عالم میں سے ایک مذہب بھی اس کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکا۔

فہرست مضامین

اصل کتاب میں اگرچہ عنوانات موجود نہیں ہیں، لیکن قارئین کی سہولت کے لئے کتاب میں مذہب مضامین کے فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے۔

صفحہ	موضوع	صفحہ
۴۴	سچا مذہب اور عقل	۳
۴۴	عقل اور نقل ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔	۱۲
۵۳	عقل سلیم اور عقل سقیم	۱۳
۵۸	مولانا قاسم نانوتویؒ	۱۴
۶۳	عقل اور نیک و بد کی پہچان	۱۵
۶۵	ارواح کی لطافت	۱۶
۶۸	انبیاء پر فیض خداوندی	۲۰
۶۹	نبوت کا عقلی ثبوت	۲۲
۷۵	سر سید کا ایک اعتراض	۲۳
۷۷	سر سید سے ایک سوال	۲۵
۸۰	طیب روحانی پر اعتماد	۲۶
۸۳	طیب روحانی کی پہچان	۲۷
۸۴	رسول اکرمؐ کی بعثت کے اثرات	۳۱
۸۷	عقل کو چھوڑ کر عقل کی تلاش	۳۲
۸۸	عقل کی قطعیت	۳۲
۸۹	عقل کی بے بسی	۳۳
۹۳	عقل میں تفاوت	۳۵
۹۴	کیا فکر و عقل لغوی ہیں؟	۳۶
	دیباچہ	
	عقل اور نقل کا اختلاف	
	اہل عقل اور اہل نقل	
	امثال سلیمان کی ایک عبارت	
	پاول رسول کا خط	
	امام غزالیؒ اور مسئلہ عقل	
	یوحنا سیناؒ اور عقل	
	محقق طوسیؒ کا مذہب	
	ابن رشد اندلسیؒ کا مذہب	
	ابن تیمیہؒ اور فلسفہ	
	ابن العربیؒ کا خط امام رازیؒ کے نام	
	حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مسک	
	ابن خلدون اور عقلیات	
	علوم کشفیہ اور ابن خلدون	
	شیخ شہاب الدین سہروردیؒ	
	علاء الدین طوسیؒ کا مذہب	
	عقل کے نقصان کا ثبوت	
	شیخ ولی اللہؒ اور عقلیات	
	گناہوں کا اثر عقل پر	

جن لوگوں کو ہر بات کی تصدیق کے لئے یورپ کی وحی کا انتظار رہتا ہے۔ بے چون و چرا اس پر ایمان لے آئے اور ملک میں اس خیال کو اس قدر شہرت دی کہ اس سرے سے اس سرے تک جا بجایا ہی چہر چاہو گیا۔ علمائے یہ دیکھ کر کہ عام لوگ مذہب سے بد دل ہوئے جاتے ہیں اس کی تحقیق کی طرف توجہ کی مگر تفتیش کے بعد ثابت ہوا کہ اس دعویٰ میں واقفیت کا بہت ہی کم حصہ شامل ہے۔

○ اس میں شک نہیں کہ علماء سائنس نے مادیات اور طبیعیات کے متعلق بہت سی جدید باتیں دریافت کیں۔ علم ہیئت (علم الافلاک) میں مفید بیانات کا اضافہ کیا۔ صنعت و دستکاری کے عجیب و غریب کرشمے دکھائے۔ روشنی اور بجلی وغیرہ کے متعلق جدید تحقیقات سے عالم کو منور کر دیا لیکن انہوں نے یہ نہیں بتلایا کہ ان میں سے کون سی بات اسلام کے مخالف ہے یا کس چیز کے ثابت ہونے سے کسی اسلامی مسئلہ پر نقص وارد کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم کو کہ عناصر کی تعداد (۶۷) سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ یہ بھی تسلیم کر لو کہ زمین ساکن نہیں مگر یہ بھی مان لو کہ کواکب سیارہ سات میں منحصر نہیں۔ مگر کیا اس سے توحید کے ثبوت میں کچھ غلغلہ آیا۔ یا نبوت کا دعویٰ باطل ہو گیا کسی آیت قرآنی کی مخالفت ہوئی یا حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کیا گیا۔ جب ان میں سے کچھ بھی نہیں تو اب یہ دیکھو کہ علوم جدیدہ نے اسلامی مسائل کے متعلق ردایا قبول کس چیز کی زیادتی کی۔

اس کے جواب میں ان چند بوسیدہ اور پامال اعتراضات کے سوا کچھ نہیں کہا جاتا جو حادثہ مادہ۔ معجزات اور شروطنسٹروغیرہ کے متعلق عام طور پر زبان زد ہیں اور جن کو ہمارے زمانے کے بعض آزاد خیال مؤلفین نے اردو زبان میں ذرا سلجھا کر تحریر کر دیا ہے لیکن جن لوگوں نے علم کلام کی تکمیل کو صرف شرح عقاید خیالی کے دائرہ میں محصور نہیں سمجھ رکھا وہ خوب جانتے ہیں کہ علماء اسلام نے کہاں تک ان تمام شبہات کا رکیک اور ہیجان ہونا ثابت کیا ہے۔ اور کس خوبی اور بسط کے ساتھ ان اعتراضات کا رد لکھا ہے کاش میری اس تحریر کے پڑھنے والے ابن حزم غریری کی مثل و مثل علماء والدین علی طوئی کی کتاب الذخیرہ۔ فاضل تفتازانی کی شرح مقاصد۔ امام غزالی کی تہذیب الفلاسفہ اور محققین فن کی نادر تصنیفات کا مطالعہ کریں۔ جس سے ان کے رو برو میرے اس بیان کی صداقت ظاہر ہو۔

اس بات کا کہہ دینا اس کے ثابت کرنے سے زیادہ آسان ہے کہ علوم جدیدہ کی روشنی میں تمام علوم قدیم ماند پڑ گئے اس کے مقابلہ میں متکلمین کی تحقیقات بالکل بیکار ثابت ہو گئیں اور اس کے دنیا میں آنے سے مذہب کو موت کا سامنا کرنا پڑا۔

کیا یہ دعویٰ کرنے والے ہم کو خاص ان مضامین کی ایک فہرست دے کر ممنون بنا سکتے ہیں جن کو اسلام اور متکلمین اسلام کے دلائل کے محذوش بنانے میں کسی قسم کا دخل ہو اور جن کی صحت و سقم پر قدیم علم کلام نے بہت کافی طور پر بحث نہ کی ہو۔

ہماری ایسے لوگوں سے جو حال کے علماء کو جدید حملوں کی مدافعت سے عاجز نکالتے ہیں یہ التجاہ ہے کہ وہ ضرور ہم کو ایسے مسائل کی مع ان کے دلائل کے ایک فرو تیار کر کے عنایت فرمائیں جن کا مقابلہ ہمارے بوڑھے اسلام نہ ہو سکا۔ اور آخر کار ہمارے سنی۔ اہل۔ آئی بہادر کو اس کے ضعف اور پیرانہ سالی پر رحم کہا کہ اس میں بہت کچھ اصلاح کرنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ یہ ترمیم شدہ اسلام نوجوان یورپ کی نظروں میں وقیع اور با عظمت بن سکے بہر حال۔

اپنی جہالت کی وجہ سے جن کا جو جی چاہے کہے مگر انصاف یہ ہے کہ اسلامی عقائد کے متعلق متکلمین نے جس درجہ موثر گانی۔ باریک بینی۔ اور فلسفیانہ نکتہ رسی سے کام لیا ہے اس نے ہمیشہ کے لئے ہم کو اندرونی اور بیرونی مخالفین اسلام کے پیچیدہ اعتراضات کے حل کرنے سے سبکدوش کر کے ان کا ممنون احسان بنادیا اور میں جرأت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اب بھی دنیا میں امام ابو الحسن اشعری اور ابو المنصور ماتریدی کے ایسے وکیل موجود ہیں جو اسلامی معتقدات کے متعلق ان تمام شبہات کا استیصال کرتے ہوئے جو کسی نئے سے نئے پیرایہ میں ظاہر کئے جائیں، قدیم علم کلام کے کامل و مکمل ہونے کا ثبوت دے سکیں۔

○ ہم نے اپنے ان دوستوں کو جو قدیم علم کلام کو اکثر ناقص بتلایا کرتے ہیں بارہا یہ بھی کہنے سنا ہے کہ قدیم علم کلام میں صرف عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراض کئے

تھے عقائد ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی اخلاقی تمدنی ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہیں جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں، ان کے نزدیک نذر نکاح۔ طلاق۔ غلامی۔ جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس بنا پر یہ علم کلام میں اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنا ضروری ہے اور یہ حصہ بالکل قدیم علم کلام میں موجود نہیں۔

ہمارے ان احباب کا یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ قدیم علم کلام کا تعلق صرف عقائد سے ہے قانونی اور اخلاقی مسائل سے اس میں مطلقاً بحث نہیں کی گئی۔ لیکن متکلمین یہ نہ کرتے تو کیا کرتے علم کلام کا مقصد ہی عقائد تک محدود تھا قانونی اور اخلاقی مباحث کے لئے اس کی وضع ہی نہ تھی۔ ان چیزوں کے لئے دوسرے علوم کی حاجت تھی۔ چنانچہ فخر تصوف و اخلاق اور علم اسرار الدین نے اس ضرورت کو بھی رفع کیا اور اسلام کی تمام جزئیات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، جنگ و جہاد کے مخفی اسرار اور حکمتوں کو نہایت تفصیل کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد صاحبؒ کی قیمتی تصنیفات اس وقت بھی کثرت سے موجود ہیں جن کے مطالعہ سے میرے اس بیان کی پوری تصدیق ہو سکتی ہے۔ اور اس عنوان کے ذیل میں جس سلسلہ مضامین کے لکھنے کا میں ارادہ کر رہا ہوں اس میں اس کا خیال رکھوں گا حسب موقع ان بیش بہا تصانیف سے مفید اقتباسات

حاصل کروں۔

بہر کیف علم کلام جس غرض کی تکمیل کے لئے مدون کیا گیا۔ میرے نزدیک اس نے اس میں پوری کامیابی حاصل کی اور اب میرا مقصد ہے کہ میں اسلامی عقائد کے ہر باب کے متعلق بصورت رسائل عمدہ یہ دیکھاؤں کہ علماء اسلام نے اس کو تحقیق کی کس حد تک پہنچا کر چھوڑا ہے اور اب ہم کو اس میں کہاں تک ترمیم یا اصلاح کرنے کی ضرورت ہے لیکن مجھ کو اپنے اصلی مقصد کے شروع کرنے سے پہلے جیسا کہ چند ان مقامات کا ذکر کر دینا ضروری ہے جنکے بغیر ہمارا مقصد کامل طور پر اور آسانی کے ساتھ دل نشین نہیں ہو سکتا اسی طرح بعض ان خطرناک غلطیوں پر مطلع کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو اصول کے عام طور پر عام مسلمانوں میں تسلیم کر لی گئی ہیں اور جو آگے چل کر ہمارے ناظرین کو بعض اصلی مقاصد کے سمجھنے میں مزاحم ہو سکتی ہیں۔

لیکن جس اجماع اور طویل الذیل سلسلہ کا میں نے بیڑہ اٹھایا ہے اور جس کا آغاز بنام خدا آج اس رسالہ سے کیا جاتا ہے وہ اسی وقت انجام کو پہنچ سکتا ہے جب کہ اس مضمون کے پڑھنے والے کلمات خیر سے میری ہمت پڑھائیں اور خدا کی توفیق شامل حال رہے اور عجب نہیں کہ اگر اس ناچیز مضمون کا کوئی حصہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تو پھر ہم کو قدیم و جدید ہیئت کے مسائل کے موازنہ کرنے کی بھی اپنے دسترس کے موافق جرات ہو اور اگر زندگی ہے تو ان شاء اللہ ہم علوم جدیدہ کے متعلق اپنی معلومات بڑھانے کی کوشش اور اس مقصد کی تکمیل کی ضرورت نہ

کریں گے۔ شعر

در میریم عذر ما پست پذیر
اے بسا آرزو کہ خاک شد
اس سے قبل کہ توحید، رسالت اور جزا و سزا وغیرہ اسلامی اصولوں میں سے ہر ایک اصول کی علیحدہ علیحدہ رسائل کے ذریعہ سے بلاشبہ تعصب مفصل تحقیقات کی جائے اس ایک رسالہ میں چند ایسے امود کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو ان مباحث میں امداد دینے کے علاوہ اس موقع پر ایک خاص قسم کی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ امود درحقیقت ایسے قوانین ہوں گے جن کی صحت ان محسوسات اور بدیہیات پر مبنی ہوگی جو ہر طرح سے قابل اطمینان ہیں۔ اور انہی سچے قوانین کی میزان سے ہم آئندہ ہلکے اسلامی مسائل کی پوری جانچ کر سکیں گے۔ گویا یہ مقدمات ہمارے نزدیک ان اصول موضوعہ کے طور پر رکھے جائیں گے۔ جن کے سہارے اکثر بیانات کی بنیادیں قائم ہوں گی۔

اب اگر کسی صاحب کو ان میں سے کوئی اصول مشتبہ یا غلط نظر آئے تو وہ بہت شوق کے ساتھ اپنے اعتراض کو ظاہر فرمائیں۔ لیکن اپنے کسی ایک دعوے کے ثبوت میں بھی چند کہنہ سال یورو پین کا نام لینے پر اکتفا کریں۔ تاوقتیکہ ان کے پاس ایسی ہی کوئی دلیل قطعی نہ ہو جیسا کہ ہم اپنے ہر ایک دعوے کے ساتھ ساتھ پیش کریں گے۔ یا جیسے دلائل قویہ کا وہ ہم سے خود مطالبہ فرمانے کو تیار ہوں گے اور اگر وہ صاحب صرف چند جرمی اور قرآنی معنی کے اقوال یا ذکر لینے ہی کو علوم جدیدہ میں ماہر ہونا تفضل

کرتے ہوں تو بحمد اللہ ایسے مباحث سے بھی گوہم اپنے کو عاجز نہیں پاتے
مگر جب ایسے دوراز کار فضولیات کا منظر سامنے ہو گا تو ہماری طبیعت
بھی صرف اسی قدر جواب کو پسند کرے گی کہ - شعر
دعای گو برد و نکستہ بمافظ مفروش
کلک مانیز زبائے و بیانے دارد

اس لئے ایسے لوگوں کی خدمت میں ہم عرض کئے دیتے ہیں، کہ وہ
براہ کرم اپنا اور ہمارا عریز و وقت ہرگز ضائع نہ فرمائیں۔ بلکہ ذرا سی دیر کے
لئے سخن پروری۔ ہٹ دھرمی اور نفس پرستی کو فراموش کر کے اور آخرۃ
کی عام جواب دہی کو پیش نظر رکھ کر ٹھنڈے دل سے ان قیمتی مطالب کے
سننے میں مصروف ہو جائیں جو بڑی عرق ریزی کے بعد جمع ہو کر بنی نوع
انسان کی ہمدردی کی خاطر منظر عام پر لائے جائیں گے۔

چونکہ ان مضامین کا سلسلہ اگر خدا کو منظور ہے تو عرصہ دراز تک
قائم رہے گا۔ اس لئے علم دوست احباب سے توقع ہے کہ اس سلسلہ کے
تمام رسالے کو ایک جگہ جمع کرتے جائیں تاکہ پہلے میں دوسرے کا یا دوسرے
میں پہلے کا کوئی حوالہ آئے تو اس مقام کو بے تکلف نکال کر دیکھ سکیں۔
اب ان تمام ہدایات کے بعد ہم اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں
اور آرزو مند ہیں کہ اس کے پڑھنے والے تمام پُرانے و سادس اور
اوپر سے دل کو پاک کر کے اور لا تنظر الی من قال و انظر الی ما
قال کو سامنے رکھ کر نیک نیتی اور انصاف پرستی کی داد دینے کے

لئے آمادہ ہو جائیں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ
شاہامن اربعہ رش رسام سریر فضل
مملوک این جنابم و سکین این درم

احقر شبیر احمد عثمانی معاف اللہ عنہ
دارالعلوم دیوبند



العقل والنقل

تمام اہل فہم کے نزدیک یہ مسلمات میں سے ہے کہ نقل صبیح یا عقل کامل کا اتباع انسان کے اولین فرائض میں سے ہے اور انہی دونوں کی اطاعت پر اس کے برگزیدہ کمالات اور حقیقی کامیابیوں کے حاصل ہونے کا انحصار ہے۔ پھر ہر چند کہ اہل تحقیق کے نزدیک ان دونوں حاکموں (عقل و نقل) میں کبھی نزاع اور خصومت، بجز اس کے ممکن نہیں کہ یا نقل کی صحت مشکوک ہو یا عقل کی سلامتی میں کچھ نقصان اور فتور واقع ہو جائے۔ مگر جب کبھی کسی وجہ سے کسی موقع پر ان دونوں میں خلاف محسوس ہوتا ہے تو انسان کے خیالات میں سخت تزام اور تذبذب پیدا ہو جاتا ہے، اور دونوں جانبوں کی کھینچ تان سے اس کو یہ دشواری پیش آتی ہے کہ وہ ان میں سے کس کے حکم کو قبول اور کس کو رد کرے اگر دونوں کی تعمیل کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہو اور کسی ایک کو ترجیح دے تو کیونکر دے۔ اس لئے سب سے پہلے مگر سب سے مشکل منزل (جس کے طے کئے بغیر ہم اپنے اصلی مدعا تک نہیں پہنچ سکتے) یہ ہے کہ عقل و نقل کا یہ قدیم جھگڑا چلایا جائے جس کی بدولت پچھلے زمانہ میں سینکڑوں دانشمند آدمیوں کی قربانی ہو چکی ہے اور بہت سے بے قصور لوگ وار پر کھینچ دیئے گئے ہیں۔ جب کبھی مدعیان عقل نے قدم جمائے اہل نقل کے استیصال میں

تسمہ باقی لگا نہیں رکھی اور جب نقل کے بیوقوف پیروؤں کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے بھی اپنے فریق مقابل کے حق میں سر قلم کرنے یا آگ میں جلا دینے سے کم کوئی سزا تجویز نہیں کی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس اختلاف عقل و نقل کی اصلی حقیقت کیا ہے؟ کیا اس خوفناک نزاع میں کوئی صریح صورت تطبیق کی ممکن ہے یا کسی اہل مذہب نے ان دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی یا کیا ان تطبیق دینے والوں میں سے کوئی ایک شخص بھی اپنی سعی میں کامیاب ہوا؟

یہ وہ سوالات ہیں جن پر غور کرنا ہر ایک مذہب والے کا فرض ہے اور اس وقت ہم انہی مہتم بالشان امور پر کامل طریقہ سے ایسے آسان پیرایہ میں بحث کریں گے جس میں عام خاتون، عالم، جاہل، اور ذکی۔ غنی سب مساوی طور پر حصہ لیں۔

قدیم سے قدیم روایات پر عبور کرنے سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عقل و نقل کی یہ نزاع اور باہمی کشمکش کسی ایک قوم، ایک ملک اور ایک ملت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ انسانی آبادی کے ہر طبقہ اور ہر حصہ میں دونوں قسم کی طبیعتیں ہمیشہ موجود رہی ہیں جو زمانہ کسی قوم کے حق میں اعلیٰ درجہ کی وحشت، بدویت اور عام تاریخی کا فرض کیا جائے اس میں بھی متمدن اقوام کی مانند دونوں طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی عقل کے ایسے پابند اور خیالات کے ایسے محکوم ہوتے ہیں کہ جو چیز ان کی عقل و ادراک سے خارج ہو اس کو وہ واقع میں موجود ہی

نہیں سمجھتے اور ان کے برخلاف بعضوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے کسی نسبى بزرگ یا مذہبی مقتدا سے کوئی بات سُن لیں تو بے چون و چرا ان کے حُکم کے سامنے گروں ڈال دیں بشرطیکہ اس مقتدا کے مقتدا ہونے پر ان کو پورا اعتماد حاصل ہو چکا ہو۔

اس کے بعد ان دونوں گروہوں میں طعن و تشنیع کا دروازہ کھل جاتا ہے پہلا گروہ دوسرے کو ساوہ دل - کم عقل اور بیوقوف سمجھتا ہے اور دوسرا پہلے کو بے ادب، مغرور اور نافرمان قرار دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ دونوں میں کینہ اور بغض کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور زبان و دل سے گزر کر ہاتھ پاؤں تک جنگ و جدل کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اس پر بھی امر متنازع فیہ کا تقصیف نہیں ہوتا۔ بلکہ طرد ناجزا یہ ہے کہ بسا اوقات ایک ہی شخص اور ایک ہی کتاب کے دو قول اس مسئلہ میں متناقض پہلو رکھتے ہیں۔ اور ہماری حیرت اور تعجب کی اس وقت کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم کو کسی ایک ایسی مذہبی کتاب میں جو کسی فرقہ کے نزدیک خطا و قصور سے بالکل پاک تسلیم کر لی گئی ہے۔ وہ متعارض کلام اس بارے میں نظر پڑتے ہیں۔ جب ہم موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی وحی گردانی کرتے ہیں تو امثال سلیمان کے تیسرے باب میں یہ عبارت لکھی ہوئی ملتی ہے۔

”اپنے سارے دل سے خداوند پر توکل کر۔ اور اپنی سمجھ پر تکیہ مت کر، اپنی ساری راہوں میں اس کا اقرار کر، وہ تیسری

رہنمائی کرے گا۔ اپنی نگاہ میں آپ کو دانش مند مت جان، خداوند سے ڈر۔ اور ہدی سے باز رہ، یہ تیری ناف کے لئے صحت اور تیری ہڈیوں کے لئے تراوٹ ہے۔“ اور انہی امثال کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ:-

”کیا وانا فی نہیں پکارتی اور کیا ہمیدہ آواز بلند نہیں کرتی۔ وہ سڑک کے پاس اونچے مقاموں کی چوٹیوں پر اور چوراہے کے چبوترے پر کھڑی ہوتی ہے وہ پھاٹکوں کے نزدیک شہر کے مدخل پر جہاں سے دروازوں میں داخل ہوتے ہیں چلائی ہے کہ اسے اومیو میں تمہیں بلاتی ہوں۔ اور بنی آدم کی طرف اپنی آواز اٹھاتی ہوں۔ اسے بیوقوف! خرد کو سمجھو، اور اسے جاہلو! سمجھنے والا دل پیدا کرو۔ سنو کہ میں لطیف مضمون کہتی ہوں۔ اور میرے لبوں سے جب وہ کھلتے ہیں تو سچی باتیں نکلتی ہیں کہ میل منہ سچ کہتا ہے، اور میرے لبوں کو شکر سے نفرت ہے۔ میرے منہ کی ساری باتیں صداقت پر ہیں ان میں کچھ ٹیڑھا، ترچھا نہیں، وہ سب اس کے نزدیک جو دانش رکھتا ہے سیدھے ہیں اور ان کے خیال میں جو حقیقت شناس ہیں راست ہیں۔“

پاول رسول نے جو خط رومیوں کو لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-
”غرض میں اپنی عقل سے خدا کی شریعت اور جسم سے گناہ

کی بندگی کرتا ہوں۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کی شریعت کا اتباع وہ اپنی عقل کے بھروسے پر کرتے تھے لیکن اس کے خلاف انہی پاؤں رسول نے جو خط کرتیوں کو تحریر کیا ہے اس کی عبارت یہ ہے:-

”اور میری عبارت اور میرا وعظ انسانی حکمت کی دلفریب بات کے ساتھ نہیں لیکن روح اور قدرت کی دلیل کے ساتھ تھا تاکہ تمہارا ایمان نہ انسانی حکمت سے بلکہ خدا کی قدرت سے ثابت ہووے ہم کاموں کے نزدیک حکمت کی بات بولتے ہیں۔ مگر اس جہان کی اور اس جہان کے فانی حاکموں کی حکمت نہیں بولتے۔ بلکہ ہم وہ حکمت الہی بولتے ہیں، جو چھپی ہوئی ہے۔ یعنی وہ پوشیدہ حکمت جسے خدا نے زمانہ کے آگے ہماری بزرگی کے لئے مقرر کیا تھا۔“

پھر اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ:-

”اب ہم نے نہ دنیا کی روح بلکہ وہ روح جو خدا سے ہے پائی تاکہ ہم ان رازوں کو جو خدا نے ہمیں بخشے ہیں سمجھیں۔ اور ہم ان رازوں کو انسان کی سکھائی باتوں سے نہیں بلکہ روح قدس کی سکھائی ہوئی باتوں سے غرض روحانی چیزوں کو روحانی عبارت سے ملا کر بیان کرتے ہیں۔ مگر نفسانی آدمی

۱۔ دیکھو انجیل مطبوعہ ۱۸۴۰ء ۲۔ دیکھو انجیل مطبوعہ ۱۸۴۰ء

خدا کی روح کی باتوں کو قبول نہیں کرتا کہ اس کے نزدیک تاوان کی باتیں ہیں اور وہ ان کو سمجھ نہیں سکتا کہ وہ روحانی طور سے بوجھی جاتی ہیں۔“

شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی دونوں قسم کے مضامین موجود ہیں۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ درجۂ عقل کے موافق جنت میں داخل ہوں گے اور دوسری جگہ اہل الجنت بلکہ (یعنی اکثر جنتی لوگ بیوقوف ہوں گے) بھی مشہور ہے۔

○ آپ کے بعد جو علماء اور حکماء آپ کی اُمت میں گزرے ان کے اقوال بھی اسی طرح بظاہر متعارض رہے اور امام غزالیؒ کے زمانہ تک غالباً بہت کم عالم ادھر متوجہ ہوئے جنہوں نے اس عقل و نقل کے اختلاف پر باضابطہ اور مکمل بحث کی ہو اور تمام شبہات کو رفع کر کے یہ دکھلایا ہو کہ اس اختلاف کا اصلی منشا کیا ہے۔ دونوں فریق کے استدلال کس درجہ تک درست ہیں اور انبیاء یا اکابر علماء کی کتابوں میں جو بظاہر اختلافات معلوم ہوتے ہیں جن کی طرف ہم نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کے اجتماع اور تطبیق کی صحیح صورت کیا ہے۔

میرا مقصد ہرگز نہیں کہ امام غزالیؒ سے پہلے کوئی شخص عقل و نقل کی تطبیق کی صورت سمجھے ہوئے نہ تھا بلکہ یہ غرض ہے کہ ان سے پہلے اس مسئلہ کی خاص تشریح کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ ہر ایک زمانہ کے حکماء انہی امور کے بیان میں زیادہ تاکید و تفصیل سے کام لیا کرتے

ہیں جن میں کسی قسم کے خفا اور مغالطہ کا اندیشہ ہو۔ یا وہ ایسے امراض ہوں جن کے اندر عام طبائع مبتلا پائی جائیں۔

تم خود اندازہ کر لو کہ والدین کی اطاعت اور اولاد پر رحم اور شفقت۔ یہ دونوں چیزیں باوجودیکہ مذہبی ضرورت میں سے ہیں۔ مگر اوّل — جو تک ایک گونہ نفس کی خواہش کے خلاف اور دوسرے نہ تنہا انسان بلکہ تمام حیوانات کی اقتضات طبعیہ میں سے ہے اس وجہ سے حکیم مطلق نے عقوق والدین کی خرابی اور ان کی اطاعت کی خوبی کو بکرات و مرآت اور باجمال و تفصیل جس قدر مختلف عنوانوں سے تعلیم فرمایا ہے صحیح علی الاولاد کے احکام میں اس کا عشر عشر بھی نہیں۔

ٹھیک اسی طرح علماء سلف کے زمانہ میں چونکہ عام طور پر مذہبی دنیا کا بدل ڈالنا کسی اہل مذہب کے نزدیک بھی روانہ تھا۔ اس لئے نہ عقل و نقل میں کثرت نزاعات قائم ہوتے تھے۔ نہ علماء کو ان دونوں کے مقدّمات فیصل کرنے کی نوبت آتی تھی۔ اور نہ اس کی حاجت سمجھی جائے گی کہ ان دونوں کی تطبیق کے اصول یا اختلاف کے اسباب بیان کئے جائیں۔

اس کے بعد جوں جوں زمانہ گذر فلسفیت اور الحاد کا رنگ غالب آیا عقل ناقصہ جزئیہ کی گرم بازاری ہوئی اور نقل کی قدر و منزلت گھٹی۔ اسی قدر عقل و نقل کی منازعت بڑھتی گئی اور امام غزالیؒ کے زمانہ تک اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ان دونوں (عقل و نقل) کی موافقت و اتحاد کے واسطے کچھ آئین بتلائے جائیں اور ان میں سے ہر ایک کے

مدد کی تعین وضاحت کے ساتھ کر دی جائے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے اس پر قلم اٹھایا اور انصاف یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ کی ضروریات کے موافق اس مقصد کی پوری تکمیل کر دی۔

لیکن چونکہ علماء سلف کو اس تعین و تفصیل کی حاجت پیش نہیں آئی تھی۔ اور علماء مابعد نے امام مداحب ممدوح کی تشریحات پر حوالہ کر لینے کو کافی سمجھا اس واسطے ان سے پہلے اور ان کے بعد اکثر ایسے ہی مبہم اور متعارض اقوال عقل و نقل کے بارے میں جمع ہوتے رہے۔ جس سے آج کل کے کوتاہ نظروں کو سادہ لوح علوم کے گمراہ کرنے کا خوب موقعہ ہاتھ آیا اور انہوں نے بزرگوں کے کلام کے وہ مختلف ٹکڑے جن کو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم وغیرہ میں عمدہ طور پر جمع کر کے دکھلا دیا تھا۔ جاہل اپنے استنباد میں پیش کر کے سیدھی اور سچے مسلمانوں کو طریق حق سے ہٹانا چاہا۔ چنانچہ اب میں اس قسم کے اکثر کلام حکما اور علماء اسلام کی کتابوں سے انتخاب کر کے ذیل میں نقل کرتا ہوں جن کو پڑھ کر ایک خالی الذہن آدمی سمجھت تحریر اور تذبذب میں پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد امام غزالیؒ کی منسل تقریر ان کی متفرق تصانیف سے اقتباس کر کے ہدیہ ناظرین کروں گا جو اس حیرت اور پریشانی کو کافی مددک ٹٹا لیں گی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ عقل و نقل کی جو مخالفت آج کل دیکھنے میں آ رہی ہے کہ عرصہ ہوا دونوں حکومتوں میں سفاک چکے۔ اور اعلان جنگ ہو کر لگاتار معرکہ آرائی ہونے لگی۔ پھر لڑائی بھی باقاعدہ نہیں بلکہ زمانہ

حال کی عقل نے غدیہ کمر بستہ ہو کر محض جابرانہ کارروائی شروع کر دی۔ چونکہ یہ بہار یا خزاں نہ امام غزالی نے دیکھی تھی اور نہ ان سے پہلے کسی اور نے۔ اس لئے اگر زمانہ حال کی بعض خصوصیات پر نظر کر کے امام غزالی کی تقریر میں بھی کوئی کمی ہوگی تو میں اس کو آزادانہ ظاہر کروں گا اور پھر کسی اور عالم کی تقریر اگر ان کی تقریر سے زیادہ تسکین بخش سمجھی جائے گی تو اس کو سب سے اخیر میں درج کروں گا تاکہ ہمارے رسالہ کے وہ ناظرین بھی جن کے دلوں میں اس زمانہ کی اندیشہ ناک آزادی کا کوئی اثر ہو اؤل سے آخر تک تمام آزاد کا موازنہ کر کے نیک ولی کے ساتھ سچائی اور راستی کو قبول کر سکیں۔ واللہ دترم قال۔

دور عجبے گردش ایں دائرہ وارہ وقتی است کہ گردوں بگزار دوراں را
انکوں اثر تربیت دہر برآں است تا صورت خرمہرہ و ہر لطفہ کاں را
برخاستہ زین شور زمین چند تجارت کیسہ کف غول ہوا دامن را
بیرغ خورد و قوت پرواز گس نیست بال پر این بچہ راں ہمہ داں را

○ سب سے پیشتر ہم ان حامیان عقل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو عام طور پر فلاسفہ اسلام یا حکماء اسلام کے لقب سے مشہور ہیں اور جن کی زندگی کا اکثر حصہ عقل کی پیروی میں صرف ہوا ہے۔ شیخ بوعلی سینا اور ابن رشد اندلسی اس گروہ کے بہت بڑے امام گذرے ہیں۔ شیخ نے اشارات کے آخر میں ایک مستقل باب اس کے لئے منعقد کیا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے بہت سے علوم ممکن ہیں کہ عقل متواسطہ کے مرتبہ سے بالا تر ہوں۔ وہ

در حقیقت صحیح ہوں مگر عام طور پر لوگ ان کو سمجھ نہ سکیں۔ کیونکہ جو چیز انسان میں علوم اور ادراکات کی حاصل کرنے والی ہے وہ ایک لطیف چیز ہے جس کو روح سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جب علم کے حاصل ہونے کا مبنی وہ ہی جزو لطیف ٹھہرا تو جس قدر جسم کی کثافت کو بذریعہ مجاہدات اور ریاضات کے زائل کیا جائے گا۔ اسی قدر روح کی لطافت میں ترقی ہوگی اور لطافت کے بڑھنے سے علوم میں یقیناً وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔ چونکہ انبیاء اور اولیاء بھی ترک لذات اور کسر شہوات کے بعد جسمانی تعلقات سے بہت کچھ بیگانہ ہو جاتے ہیں اس لئے اگر ان کو بہت سی وہ باتیں معلوم ہوں جو ہم کو نہ ہوں تو یہ کوئی قابل استعجاب امر نہیں ہے اس کے بعد شیخ کہتا ہے۔

والعارفون المتزہون اور خدا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جس وقت
ذواضع عنہم و غیر مقاربتہ اُن سے جسمانی تعلق کا بار ہٹا کر دیا جاتا ہے اور
البدن و انفکوعن الشوائب دنیوی مشاغل سے وہ علیحدہ ہو جاتے ہیں، تو
خلصوا فی عالم القدس ان کی توجہ خاص طور پر عالم اقدس اور عالم سعادت
السعادة و انتقوا بالکمال کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے مال
الاعلیٰ و حصلت لهم اللذۃ کے ساتھ موصوف اور بڑی لذت اٹھانے والے
العلیاء و قد عرفتها و لیس ہوتے ہیں جیسا کہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو۔ اور یہ
هذا الالہ اذا مفقود امن نہیں کہ جب روح بدن میں ہو تو وہ اس لذت سے
کل وجہ و النفس فی البدن بالکل محروم رہیں۔ بلکہ ایسے لوگ جو خدا کی عظمت و
بل المتفلسون فی تامل الجہود جہودت کی فکر میں ڈوبے ہوئے اور جسمی مشغلوں

المعروفون عن الشواغل يصيبون
وهو في هذا الابدان من
هذا اللذات حفظاً وافتراً قد
يتمكن منهم فيشفاهم عن كل شئ

اغراض کرنے والے ہیں وہ ان اجسام میں رہ کر بھی اس لذت سے اپنا بڑا حصہ پالیتے ہیں جو ان پر غالب اگر تمام اشیا سے ان کو فارغ کر دیا ہے۔

شرح اشارات محقق طوسی میں ہے۔

جل جناب الحق تعالیٰ ان یکن
شریعة لکن وارد او یطلع علیہ
الا واحد بعد واحد ولذا ان
فان ما یشتغل علیہ هذا الفن
ضحکة للمغفل وعبارة للمجمل
فمن سمع فاشتمأ عنده
فلیتھم نفساً لعلها لاتناسب
وکلّ ميسر لما خلق له المراد
ذكر قلة الواصلين الى الحق
والاشارة الى ان سبب انکسار
الجمہور للفن المذكور في
هذا النمط هو جهلهم بها فان
الناس اعداء ما جهلوا و الى
ان النوع من الکمال ليس متنا

خداے تعالیٰ کی جناب اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے کہ ہر وارد اور صادر کی گذر گاہ بن جائے یا اس پر مخصوص افراد کے سوا کوئی مطلع ہو سکے اور اسی وجہ سے سرفیوں کا طریقہ غافل کے نزدیک مہکھ نیز اور طالب کے واسطے عبرت انگیز طریقہ ہے تو جو ان کی باتوں کو سنکر ان سے اعراض کرے اُس کو چاہیے کہ وہ اس بابے میں اپنے نفس کا تسور کجے کیونکہ اس کو ان سے مناسبت نہیں ہے۔ اللہ ہر شخص کے واسطے وہی بات آسان ہوتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ غلام یہ ہے کہ خدا رسیدہ لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں اور اکثر لوگ باطنی طریقوں سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ وہ اس کو نہیں جانتے۔ آدمی ہمیشہ نامعلوم باتوں کا دشمن ہوتا ہے۔ پھر یہ کمال ہر ایک کو محض

یجمل بالا کتاب المحض بل
انما یحتاج مع ذلک الى جوهرا
مناسب لجسب الفطرة

حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہوتا تا وقتیکہ اس انما یحتاج مع ذلک الی جوهراً کا جو ہر طبیعت فطرۃً اس کے مناسب نہ ہو۔

ان دونوں جہاتوں سے شیخ اور علامہ طوسی کا یہ مطلب ہے کہ اگر انبیاء اور اولیاء سے بعض ایسے امور منقول ہوں جو ہماری عقل کے دائرہ سے باہر ہیں تو ہم کو ان کی اس بنا پر تصدیق کرنا چاہیے کہ ان کے نفوس بہیمیت کی ظلمات اور بشریت کی کدورت سے پاک و صاف ہوتے ہیں اور ہم کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن شیخ کی اس تقریر سے اس کا کوئی جواب نہیں نکلا کہ اس صورت میں ہندوستان کے جوگی۔ نصاریٰ کے راہب اور پہلے زمانہ کے اشراقیوں کے تمام علوم کیوں قابل تسلیم نہیں ہیں۔ جبکہ روایت کی ترقی کا مدار تجرد اور ترک دنیا پر ہو تو ان لوگوں کا تجرد انبیاء اور اولیاء کے تجرد سے کیوں کم ہے۔ بلکہ بظاہر یہ لوگ بہت زیادہ آدمیوں کی مجاہد سے مستغفر اور انسانی جذبات کے فنا کر دینے والے نظر آتے ہیں۔ چونکہ اس حیثیت سے شیخ کی تقریر بالکل ناقص ہے اس لئے اب ہم شیخ کو چھوڑ کر دوسرے علماء کے اقوال کا مختصر انتخاب درج ذیل کرتے ہیں۔

○ قاضی ابن رشد اندلسی جس نے امام غزالی کی کتابوں کا رد لکھا ہے اور اہل یورپ مسلمانوں کا سب سے بڑا فلسفی خیال کرتے ہیں۔ ایک مقام پر لکھتا ہے کہ خدائے برحق نے اپنی سچی کتاب میں ہم کو جا بجا قیاس اور استدلال

کے طریقہ پر توجہ دلائی ہے اور ہر چیز کو عقل سے دریافت کرنے کے لئے آمادہ کیا ہے۔

وإذا كانت هذه الشرائع
حقا وداعية إلى النظر المودى
إلى معرفة الحق فإنا معشر
المسلمين لعلو على القطر
لاجودى النظر البرهاني إلى
مخالفة ما ورد به الشرع فإ
الحق لا يفتاد الحق به

اور جب یہ شریعت سچی ہے اور لوگوں کو اس غور و فکر کی طرف بلا رہی ہے جس سے خدا کی معرفت حاصل ہو تو ہم مسلمانوں کا قطعی یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ دلیل اور برہان سے شریعت کے خلاف کبھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ شریعت بھی سچی ہے اور دلیل بھی سچی، اور ایک سچی بات دوسری سچی بات کے مخالف نہیں ہو سکتی۔

دوسرے موفہ پر صوفیوں کے روحانی طریقہ کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

ونحن نقول ان هذه الطريقة
ان سلمنا وجودها فانه ليست
عامة للناس بها هم ناس ولو
كانت هذه الطريقة هي المفقودة
بالناس لبطلت طريقة النظر
ولكان وجودها بالناس عبثا
والقرآن كله انما دعا إلى النظر
والاعتبار وتنبه على طرق النظر

ہم کہتے ہیں کہ اس طریقہ کے وجود سے اگرچہ ہم کو انکار نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ یہ طریقہ لوگوں میں عام نہیں ہو سکتا۔ پس اگر اسی طریقہ کا رواج پانا شریعت کا مقصود ہوتا تو فکر اور استدلال کا وجود بالکل باطل اور عبث قرار پاتا حالانکہ سارا قرآن قیاس اور استدلال کی طرف بلا رہا ہے اور نظر کے طریقوں پر متنبہ کر رہا ہے۔

لہ دیکھو فلسفہ ابن رشد مطبوعہ مصر ۱۳۵۵

○ اس کے مقابلہ پر علامہ ابن تیمیہ رسالہ الفرقان میں لکھتے ہیں :-

فن جوب ما يقولون من الانبياء
ويقولون غيرهم وجد الصواب
معهم والخطا مع مخالفهم
كما قال الرازي مع انهم من
انهم من اعظم الناس طعنا
في الادلة السمعية حتى ابتد
قولا ما عرف به قائل مشهور
غيره وهو انما تفيد اليقين
هذا فانه يقول لقد املت الطرق
الكلامية والمناهج الفلسفية فإ
رأيها تنفي عيلاد وتودي غليلا
وجدت اقرب الطرق لطريقة القرآن
اقرب في الاثبات اليه يصعد الحكم
الطيب الرحمن على العرش استوى
واقرب في النقي ليس كمثل شئ
لا يحيطون به علما ومن جوب
بمثل تجربتي عرف مثل معرفتي
وايقنا من اعتبار ما عندنا لظن

تو جو شخص انبیاء علیہم السلام کے ارشادات اور لوگوں کے اقوال کا تجربہ کرے گا وہ یقیناً انبیاء کو حق پر اور مخالفانہ عقائد کو خطا پر پائے گا دیکھو رازی جو سب سے زیادہ سہمی روایات کو غیر معتبر ٹھہرانے والے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ایک ایسی بات کہی جو ان سے پہلے کسی نے بھی نہیں کہی تھی یعنی یہ کہ روایات سے کبھی یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا اس رازی کو بھی یہ کہنا پڑا کہ میں نے فلسفہ اور علم کلام کے طریقوں میں بہت تامل کیا مگر ان کو ہرگز ایسا نہ پایا جو ایک مریض کو شفا بخشیں یا کسی پیادے کو سیراب کر سکیں۔ ان تمام راستوں میں نزدیک تر راستہ قرآن کا ہے کہ ثبوت کی جانب میں ہم یہ آیتیں پڑھ لیتے ہیں الیہ یصعد اللہ الطیب الرحمن علی العرش استوی اور نفی میں لیس کمثل شئ اور لا یحیطون بہ علما۔ اور ہو کوئی تجربہ کیا کرے گا۔ وہ بھی میری طرح اس بات کو سمجھ لے گا۔ اور نیز جو شخص ان لوگوں کے اقوال میں غور کرے گا جنہوں نے انبیاء کی تعلیمات اور روایات سے

الذین لا یعتصمون بتعلیم استدلال نہیں کیا تو وہ ان کو تحیر-شک-گمراہی
الانبیاء و آس شادھو اخبارم اور جہل مرکب میں مبتلا پائے گا۔
و جہدہم کلہم حائرین ضالین، شاکیں متوہمین اوجاہلین جہلا موبکبا
○ شیخ اکبر محمد الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے جن الفاظ سے اپنے ایک
خط میں امام فخر الدین رازی کو نصیحت فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ صاف
اور کھلے ہوئے الفاظ ہیں۔ وہ امام رازی کی حمیت دینے کا شکوہ ادا کر کے
تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فاذن ینبغی للعاقل ان یتعرض لتفتا اب عقلہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ خدا
الجود ولا یبغی ماسودا فی قید نظره کی جود و کرم کی خوشبودی سے فائدہ اٹھائے
اوکسبہ فانه علی شہرۃ فی ذلک و اور نظرو استدلال کی قید میں نہ پھنسا رہے۔
لقد اخبرنی من الفت بہ من اخوان کیونکہ وہ اس طرح ہمیشہ مشتبہ حالت میں
افسار آک رہتا ہے چنانچہ محمد سے تمہارے ایک دوست
وقد بکیت یوما فاناک ہوو من حضو نے جو مجھ سے ملا اس نے تم سے پوچھا تو تم نے
عن بکاک فقلت مسئلة اعتقدتھا یہ جواب دیا کہ ایک مسئلہ میں پرتیس برس
منذ ثلثین سنة فتبین لی الساعة سے اعتقاد جملے ہوئے تھا۔ اسی وقت ایک
بدلیل لامحلی ان الامر علی خلاف دلیل سے مجھ کو کیا اطمینان ہے کہ جو حقیق
ما کان عندی فبکیت لعل الذی لام مجھ کو اب ظاہر ہوئی ہے۔ وہ بھی پہلے کی
لی ایضا کیون مثل الاول فهذا قولک طرح غلط نہ ہوگی یہ خود تمہارا قول ہے اور

ومن المحال علی الوافق بموتبة العقل واقعی وہ شخص جو عقل اور استدلال کے مرتبہ
والفکر ان یستویج وان یسکن ولا سے آگے نہیں بڑھتا لیکن جسے کہ سکون و
سیماء فی معرفۃ اللہ تعالیٰ فمابالک اطمینان اور راحت حاصل کرے بالتحصن غلا
یا اخی تبقی فی هذه الوسطة ولا تعالیٰ کی معرفت میں تواسے باور پھر بھی تم
تدخل طریق المویضات والمکاشفات کیوں اس گروہ (نظرو فکر) میں پڑے
والمجاهدات والمخوات المتی شرعها ہوسے۔ اور کیوں ریاضات۔ مجاہد۔ مکاشفات
مرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتناول اور غلوات کا وہ طریقہ اختیار نہیں کرتے جس
مانال من قال فیہ اللہ سبحانہ عبداً کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا
من مبادنا اتیناہ سرحمة من عندنا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم بھی وہ چیز
وعلمناہ من لدنا عباداً حاصل کر لو جو اس بندہ کوئے کی جس کی نسبت
خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو خاص اپنے پاس سے رحمت اور علم عطا کیا۔

○ حضرت شیخ احمد صاحب سرسندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس
مضمون کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:-

بلکہ مقصود آنست کہ نسبت یقین مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے اعتقادات میں ایسے
بمعقولات یقینی و اطمینانی حاصل مضبوط ہوں اور ایسا یقین اور اطمینان حاصل کریں
کنہ کہ ہرگز بہ مشکک زائل نہگرو جس کو کوئی شک ڈالنے والا ناکل نہ کر سکے اور وہ کسی
باید و شبہ باطل نہ شود۔ چرچائے کے شبہات پیدا کرنے سے جاتا نہ رہے کیونکہ استدلال
استدلال چوبین است و استدلال کے ہاؤں کلڑی کے ہوتے ہیں اور مسئلہ ذرا سی دیر

بے تکلیف الا بذکر امثله نہیں ٹھہر سکتا خوب آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر
تطمئن القلوب سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:-

”وچنانچہ طور عقل و رائے طور حس اور جیسا کہ عقل کا راستہ حواس کے راستہ سے علیحدہ
ست کہ انچہ جس مدرک نہ نشود ہے کہ جو چیز حواس سے نہ جانی جائے عقل سے معلوم
عقل ادراک آں می نماید همچنین ہو سکتی ہے اسی طرح نبوت کا راستہ عقل کے
طور نبوت و رائے طور عقل ست راستہ سے علیحدہ ہے یعنی جس بات کو عقل سے دریافت
انچہ بعقل مدرک نشود بتوسل نبوت نہیں کر سکتے اس کو نور نبوت سے جان سکتے ہیں
درک می آید و ہر کہ و رائے طور عقل اور جو شخص عقل کے اوپر کوئی اور طریقہ علم کا
طریقے از رائے معرفت اثبات نمی تسلیم نہیں کرتا وہ درحقیقت نبوت کا منکر اور
نماید فی الحقیقت منکر نبوت ست باہمت کا مخالف ہے۔
و مصداق بداہتہ“

ذرا اور آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”و بالجملہ طریق ریاضت و مجاہدہ اور حاصل یہ ہے کہ ریاضات اور مجاہدات کا طریقہ
در رنگ طریق نظر و استدلال و تہتہ بھی نظر اور استدلال کے رنگ میں اس وقت قابل
اعتبار پیدا کند کہ مقرون بتصدیق اعتبار اور اعتماد کے ہے جب کہ اس کی تصدیق
انبار ربوہ و عیدہ المصلوت انبار علیہم الصلوٰت والسلام کے ذریعہ سے ہو
و التسلیحات“ چلی ہے۔

لے دیکھو مکتوبات مجدد صاحب مرقہ دہلی جلد ۱ ص ۲۳۳ جلد ۲ ص ۳۳۳ جلد ۳ ص ۳۳۳ جلد ۴ ص ۳۳۳

○ علامہ ابن خلدون بھی مجدد صاحب کے پورے پورے ہم زبان ہیں۔ وہ مجدد
صاحب سے ذرا زیادہ تشریح کے ساتھ اپنے مقدمہ تاریخ میں تحریر کرتے ہیں:-

فانقہر ادراکات و مدرکات کہ پس تم اپنے علم اور معلومات کو اس حصر کر دینے
فی الحصور و تتبع ما امرک الشارح میں خطا وار سمجھو ذکر جو ہم جانتے ہیں تمام موجودات
من اعتقادک و عملک فہو احصی اسی میں منہم ہیں، اور شارح علیہ السلام کے بتلا
علی سعادتك و اعلم بما ینفعک ہوئے اعتقادات اور اعمال کا اتباع کر دیکھو نہ کہ وہ
لاحذ من طوس فوق ادراکک تم سے زیادہ تمہارے ہی خواہ اور سود و ہوس کو
ومن نطاق اوسع من نطاق کھینچنے والے ہیں ان کا علم تمہارے علم سے اوپر اور
عقلک و لبس ذالک بقادر فی ایسے ذریعہ سے حاصل ہوئے والا ہے جو تمہاری عقل
العقل و مدرکہ بل العقل کے دائرہ سے وسیع تر ہے باقی ہمارے اس کہنے
میزان صحیح فاحکامہ یقینیۃ سے عقل اور اس کی معلومات میں کوئی نقص پیدا
لاکذب فیہا۔ غیر انک لا تقطع نہیں ہوتا بلکہ ہم عقل کو ایک میزان صحیح سمجھتے
ان متزن بہ امور التوحید و ہیں جس کے احکام یقینی اور جھوٹ سے پاک ہیں۔
الآخرۃ و حقیقۃ النبوة و ہاں یہ میزان اتنی بڑی نہیں ہے کہ تم اس سے
حقائق الصفات الالہیۃ و توحید و آخرۃ کے امور اور نبوت و صفات اللہ و غیرہ
کل ما وراء طورہ فان ذالک کے حقائق کو وزن کرنے لگو یہ تو ایسا ہی ہے،
طبع فی محال و مثال ذالک جیسا کہ کوئی شخص ایک سونے چاندی کے تولنے کا
مثال رجل رای المیزان الذی کانشا دیکھے اور اس میں پٹاڑوں کے تولنے کا ارادہ
یومن بہ الذہب فیطمع ان کرنے لگے۔ تو یہ نہ کہا جائے گا کہ ترازو وزن تھکنے

يزن به الجبال هذا الايدى
على ان الميزان في احكامه غير متاثر
لكن العقل يقف عنده ولا يتعدى
طوره حتى يكون له ان يحيط
بما الله وبصفاته فانه ذرة من
ذات الوجود الحاصل منه وتفتن
في هذا غلط من يقدم العقل
على السمع في امثال هذا القضايا
وقصور نهمة واختلال لم يفقد
تبين لك الحق من ذلك

دوسرے مقام میں لکھتے ہیں :-

وقد تنبه لذلك من عيهم ابو
علي ابن سينا فقال في كتاب
المبدء والمعاد الروحاني
واحواله ما بقرئ عليه بالبر
هين العقلية والمقائيس لانه
على نسبة طبيعية محفوظة ووتيرة
واحدة فلما في البراهين عليه

اور رئیس الفلاس جو علی سینا نے بھی اس بات پر
متنبہ ہو کر کتاب المبدء والمعاد میں یہ کہہ دیا ہے کہ
روح کو عذاب ثواب ہونے پر قوم دلائل اور قیاسات
تاکم کرکے ہیں کیونکہ ایسا ہونا مضبوط تائید طبعی
اور ایک خاص طریقہ کے تحت میں داخل ہے تو اس
کے اعتراف پر ان سے ثابت کرنے کی گنجائش نہ تھی
ہے مگر جب انی اعادہ اور بڑا مزاج محض استدلال

سبعة واما المعاد الجسماني و
احواله فلا يمكن ادراكها بالبرهان
لانها ليس على نسبة واحدة و
قد بسطة لنا الشريعة الحققة المحمدية
فليست فيها ولا ترجع في احوالها اليها
جو معلوم نہ بذریعہ عقل کے بلکہ بذریعہ کشف کے معلوم ہوں ان کی بابت
لکھتے ہیں :-

لهذا الكشف لا يكون صحيحا
كاملا عندهم الا اذا كان ناشيا
عن الاستقامة لان الكشف قد
يحصل لصاحب الجوع والخلوقة
الكافرة

پھر یہ کشف بھی صحیح اور کامل اس وقت تک نہیں
ہوتا جب تک کہ استقامت دینی شریعت کے احکام
پر پورا پورا عمل نہ ہو اور نہ یوں تو بہت سے ریاضت
اور خلوت سے صفائی قلب حاصل کیے والوں کو بھی
کشف ہونے لگتا ہے جیسا کہ ساحرین - نصاریٰ اور
والمفسامی وغیرہم من المرواضین
ولیس مراد نا الا الكشف الناشئ
عن الاستقامة ومثاله ان المرأة
العقيلة اذا كانت محدبة او
مقعرة وحوزی بها جهة المروء
فانه يتشكل فيها غير صورة وان كانت مسطحة فتشكل فيها المروء هيجاً

○ حضرت شیخ شہاب الدین صاحب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-
 ”عقل اور استدلال کے طریقے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس کا انزال نہ ہو سکے۔“ تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔ ان میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے کوئی بات سن لی چنانچہ عوارف میں لکھتے ہیں:-

”فما اضطراب الطبائع الاضرب“ تو یہ اضطراب اور تردد جو طبیعتوں میں دیکھتے ہو یہ من الجہل فقلوب الصوفیة واعية
 بھی جہل کی ایک قسم ہے۔ اس اعتبار سے سرفیوں کے قلوب بہت محفوظ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے تقویٰ اور طہارت کی بنیاد کو مضبوط کر کے زہ اور ترک دنیا اختیار کیا۔ تو تقویٰ کی وجہ سے ان کے نفس پاک اور زہم کی وجہ سے دل صاف ہو گئے۔ اور جب دنیوی دنیائے بتحقیق الزہد انفتحت
 مشاغل کو انہوں نے فنا کر دیا تو ان کے باطن کے مسامحہ واطنہم وسمعت آذان
 سماعت کھل گئے اور ان کے دل کے کان سننے قلوبہم فلما عدا مواشاغل
 لگے۔

○ متکلمین کی جماعت میں علامہ علاؤ الدین علی الطوسی (المتوفی ۷۲۰ھ) نے سلطان محمد فاتح کے حکم سے جو کتاب حکماء کے رد میں لکھی ہے۔ اس کے مقدمہ

میں یہ بتلایا ہے کہ ہماری عقل بہت سی اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ بلکہ بڑے بڑے حکماء عسومات کی مابہت معلوم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو ہم کو چند ایسے امور کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔ جن کی باریکیوں کو اگرچہ ہم نے خود نہیں سمجھا مگر خدا کے ایسے سچے رسولوں نے ہم کو انہی خبر دی ہے جن کی صداقت پر سینکڑوں آیات بنیاد گواہی دے رہی ہیں کیا ہماری آنکھوں نے ان تمام چیزوں کو دیکھ لیا ہے جن کو وہ دیکھ سکتی ہیں یا ہمارے کانوں نے ان تمام آوازوں کو سن لیا ہے جن کو وہ سن سکتے ہیں یا ہمارے ہاتھوں نے تمام اُن چیزوں کو چھو لیا ہے جن کو وہ چھو سکتے ہیں۔ یا ہماری زبان نے تمام ان الفاظ کو ادا کر دیا ہے جن کو ہم ادا کر سکتے ہیں) پھر جب ہمارے ان حواس اور ان قوتوں نے اپنے مقدر را پر پورا پورا احاطہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے عقلی قوت کو اپنی ساری معلومات پر کامل تصرف اور قبضہ حاصل ہو جائے۔ یہاں تک کہ خدا کی ذات و صفات کے مسائل بھی اس کے قابو میں آجائیں اور حقائق اشیاء میں سے کوئی حقیقت ایسی نہ رہے جو اس کی دسترس سے اچھوٹی ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پانی، آگ، مٹی وغیرہ وہ اجسام جو ہر وقت ہم کو نظر آتے ہیں ان کی حقیقت کے دریافت کرنے میں بڑے بڑے فلاسفر متحیر ہیں افلاطون کہتا ہے کہ یہ بسیط اجسام ہیں اور ارسطو کی جماعت کہتی ہے کہ انہیں سہولی اور صورت سے مرکب ہیں جو۔ ویمقراطیس کہتا ہے کہ یہ اجسام ایسے ذرات سے مرکب ہیں جو نہایت سخت ہونے کی وجہ سے قابل تقسیم نہیں ہیں۔ پھر

اجزاء جسم کے متناہی اور غیر متناہی ہونے کی حیثیت سے نظام کچھ کہتا ہے اور متکلمین کچھ۔ اسی طرح عقل اور نفس ناطقہ کے بارے میں ہر ایک کا مذہب جدا کا مذہب ہے اور ایک جو دلیل قائم کرتا ہے دوسرا اس کو رد کرتا ہے۔ بھلا وہ نفس جو ہر وقت ہمارے پاس رہتا ہے اور وہ اجسام جو شب و روز ہمارے استعمال میں آتے ہیں جب ان کی حقیقت معلوم کرنے میں ان اذکیار کا یہ حال ہے تو غیب کے اسرار اور ملکوت کے وقائع تک ان کی رسائی کی۔ کیونکہ امید ہو سکتی ہے۔ سو اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال کی صحیح کیفیت کو وہ ہی شخص سمجھے جس کی تائید خدا کی جانب سے کی گئی ہو۔ ایسا شخص اس کی اطلاع کرے جس کے مبعوث من اللہ ہونے پر ہزاروں علامات ظاہر ہو چکی ہوں ورنہ جو احمق نبوت کے انوار سے مستفید ہوئے بغیر محض اپنی عقل پر بھروسہ کر کے الہیات کی کتنے تک پہنچنا چاہے گا اس کے اوہام یقیناً اس کی عقل سے سخت مزاحمت کریں گے اور اس کو دہی اور عقل چیزوں کے تمیز دینے میں ایسی دشواری پیش آئے گی۔ جس کے انداز کی کوئی تدبیر اس کے پاس نہ ہوگی۔ اسلو کا یہ قول نہایت انصاف پر مبنی ہے کہ الہیات کے مسائل میں دلائل سے یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

باقی جن حکمائے انبیاء کی تعلیم کو چھوڑ کر ان مسائل میں انہماک پیدا کیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے ان کو نظر ذہین بتایا تھا اور ان کی عقلوں میں ایک قسم کی تیزی پیدا کی تھی۔ جس کے ذریعہ سے انہوں نے ہندسہ اور حساب وغیرہ علوم میں ایسی کامل دستگاہ پیدا کر لی، کہ اس

انتبار سے ان کی جس قدر تعلیم کی جانی تھوڑی تھی۔ لیکن انہوں نے خدا کے اس انعام کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ اور وہ اس کے پورے پورے معادق بن گئے۔ ع۔ اسے روشنی طبع تو برہمن بلا شدی انہوں نے ایسے ہی ردق میدان میں قدم رکھنے کی جرأت کی کہ جو ان کی فہم و فراست کی سرحد سے بالکل خارج تھا۔ یہاں تک کہ وہ غور سے راہ چوٹے اور اوروں کو گمراہ کیا۔

اب ان کے اس حال سے ہر ایک انسان کو چاہیے کہ عبرت حاصل کرے اور کسی ایسے رسول کے اقوال پر جس کی راست بازی دلیلوں سے ثابت ہو چکی ہو بے چون و چرا اعتماد کرے اپنے دل کو ان اضطرابات اور شکوک و اوہام سے رستگاری دے وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صَوَاطِئٍ مُّسْتَقِيْمَةٍ

○ اب یہاں پہنچکر ہم کو چاہیے تھا کہ ہم قلم کی باگ امام غزالی کی تقریر کی طرف پھیر دیتے جس کا حوالہ ہم بہت دور سے دیتے چلے آ رہے ہیں کیونکہ اس وقت ہم حکماء اور متکلمین۔ صوفیہ اور مورخین سب کے کلاموں کے انتخاب سے فارغ ہو چکے ہیں اور ہماری تحریر کے پڑھنے والوں میں جو تحریک اس مسئلہ کی بابت ہم پیدا کرنا چاہتے تھے وہ بھی غالباً پیدا ہو چکی ہے۔ لیکن بڑی کوتاہی ہوگی اگر ہم اس پر موقع پر شاہ ولی اللہ احب جیسے یگانہ عصر کو فراموش کر دہیں۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ متاخرین میں ان سے بڑھ کر کوئی اس مسئلہ (عقل و نقل) کا سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ اس اخیر

دور میں ان سے زیادہ کسی نے شریعت کے اسرار اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کئے وہ اپنی مشہور کتاب حجة اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

قد یظن ان الاحکام الشرعیة
غیر متضمنة لشی من المعاصی
وامنہ لیس بین الاعمال و بین
ما جعل الله جزاء لها مناسبة
وان مثل التکلیف بالشرائع
مکمل سید اراد ان یختار طاعة
عبدہ خامره برفع حجر او لمس
شجر مما لا فائدة فیہ غیر الحقیة
فلما اطاع او عصی جزئی بعملة
وهذا ظن فاسد تکذبه السنة
واجتماع المقرون المشهود
لها بالخبر

کبھی یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ شریعت کے احکام عقلی مصالح پر مشتمل نہیں ہیں اور اعمال میں اور انکی تیز و سزائیں کوئی خاص مناسبت ملحوظ ہے اور یہ کہ انسان کو خدا کی جانب سے احکام شریعہ کا مکلف بنانا ایسا ہے جیسا کوئی آقا اپنے غلام کی فرمانبرداری کا امتحان کرنا چاہے اور اس کو کسی ہتھکڑی اٹھالانے یا کسی درخت کے چھونے یا کسی اور ایسے کام کا حکم کرے جس میں اس کی آزمائش کے سوا کوئی فائدہ نہ ہو اب اگر اس غلام نے اطاعت کی یا نہ کی تو اس کا ویسا ہی بدلہ دے دیا گیا۔ شریعت کی بابت یہ خیال بالکل فاسد ہے جس کی تکذیب سنت رسول اللہ اور قرون اولیٰ کے اجماع نے کی ہے۔

پھر ایک ورق کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں :-

فعرکما اوجبت السنة هذه
وانعقد علیہ الاجماع فقد

ہاں جیسا کہ سنت اور اجماع سے یہ ثابت ہوا ہی طرح یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ خدا کی طرف سے مفسد

اوجبت ایضاً ان نزول القضاء
بالاجماع والتحریم سبب عظیم
فی نفسه مع قطع النظر عن
تلك المصالح لاثابة المطیع
وعقاب المعاصی وانما لیسل لا
علی ما ظن من ان حسن الاعمال
وقبحها بمعنی استحقاق العقاب
الثواب والعذاب عقوبات من
کل وجه وان الشرع وظیفۃ
الاخبار عن خواص الاعمال
علی ما حی علیہ دون انشاء الایجاب
والتحریم بمنزلة طیب یصف
خواص الادویة و انواع المرفق فانما ظن فاسد تجب السنة باوای الولاة علیہ

○ یہ تمام اقوال جو یہاں تک نقل کئے گئے ان مستند علماء کے اقوال ہیں جو بلحاظ اپنے فضل و کمال کے امت محمدیہ کے آفتاب اور مانتاب شمار کئے گئے ہیں اور جن کی فضیلت خواہ کسی حیثیت سے ہو چار دانگ عالم میں تسلیم کی جاتی ہے۔

لیکن ان متفرق اقوال اور پر آگندہ مضامین سے ایک کم علم آدمی بچائے

اس کے کہ کچھ فائدہ اٹھائے سخت پریشانی میں پڑ جاتا ہے اور وہ متعین نہیں کر سکتا کہ میں ان میں سے کس بات کو لوں اور کس کو چھوڑوں، اسی تذبذب کے وقت میں امام غزالی آتے ہیں اور احیاء العلوم وغیرہ کے ذریعے سے اس کی دستگیری کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں یہ سب باتیں درست ہیں یہ بھی سچ ہے کہ کسی مذہب حق کے تمام احکام عقل کے مطابق ہیں اور یہ بھی ایک اعتبار سے صحیح ہے کہ نبوت اور ولایت کا مرتبہ عقل سے بالاتر ہے۔ یہ بھی غلط نہیں کہ ہر ایک علم عقل ہی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اس کہنے میں بھی کچھ حرج نہیں کہ بعض علوم عقل کے سوار اور کسی طریقے سے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کو بھی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت کے تمام احکام عقل مصالح پر مبنی ہیں اور یہ کہنا بھی بیجا نہیں کہ محض عقلی مصالح کسی چیز کے فرض کرنے یا حرام کرنے کے لئے کافی نہیں۔

ممکن ہے کہ تمہاری کمزور طبیعت ان متضاد بیانات کو دیکھ کر گھبرا اٹھے اور تم ان پیچیدہ مقدمات کو کوئی منطقی حلسم سمجھنے لگو۔ مگر جو جامع مانع تقریباً ہم عنقریب درج کریں گے اس کو پڑھ کر تمہاری تسلی ہو جائے گی۔ اور تم یقین کر لو گے کہ ان اقوال میں لفظی نزاع کے سوا کوئی حقیقی اختلاف سمجھنا ہمارے فہم کی تقصیر ہے۔

○ تم سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ انسان کو قدرت نے دوسرے حیوانات سے کون سی امتیازی حالت عطا کی ہے کیا قدرت۔ ارادہ۔ خوف۔ رجا۔ شہوہ۔ غضب یہ صفات جو انسان میں رکھی ہوئی ہیں اور حیوانات میں نہیں

ہیں یا آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان۔ دست و پا جو اعصار انسان کو عنایت کئے گئے ہیں اوروں کو نہیں دئے گئے یا جس مشترک خیال، وہم، حافظہ، وغیرہ حواس باطنہ جو انسان میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ دوسروں کے حصہ میں نہیں آئے؟ تم یقیناً کہو گے کہ ان سب چیزوں کے اعتبار سے انسان کو کوئی فضیلت اور جانوروں پر حاصل نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات بعض جانوران بعض قوتوں میں انسان سے بڑے ہوتے نظر آتے ہیں۔ تو پھر وہ کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے انسان کی شرافت جانوروں کے مقابلہ میں تسلیم کرنی گئی۔ اور وہ کیا علامات ہیں جو انسان کے دشمن چہرے کے امتیازی خط وخال ہیں۔

اس کے جواب میں ہم بجز ان دو چیزوں کے کسی کا نام نہیں لے سکتے جن کا اختصار علم اور ارادہ کے دو چھوٹے چھوٹے لفظ کرتے ہیں، اور جن کی تشریح میں ہم کو اپنے ناظرین کے وقت کا ایک معتد بہ حصہ لینا پڑے گا۔ علم سے ہماری مراد وہ علم ہے کہ جس کی بدولت دنیا اور آخرت کے حالات منکشف ہوتے ہیں اور وہ کائنات کے حقائق کو ان کی اصلی صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو۔ اور ارادہ کے لفظ سے ہم نے اس ارادہ کا قصد کیا ہے۔ جو نفسانی خواہش کے اشارہ پر نہیں بلکہ علم کے اشارہ پر چلنے والا ہے۔ کیونکہ جو ارادہ قوت شہوانی کی تحریک سے پیدا ہوتا ہے وہ قوت تمام حیوانات میں موجود ہے۔ ہر جاندار بھوک اور پیاس کے وقت دانه پانی کی طلب میں دوڑتا ہے۔ شہوہ کے غلبہ کے وقت اس کے فرو کرنے کا ارادہ کرتا ہے اپنے دشمن کے مقابلہ میں بوری طاقت اور زور آزمائی دکھاتا

ہے۔ تو کیا ان سب باتوں میں ارادہ نہیں پایا گیا۔ لیکن ہاں وہ ارادہ نہیں جو افراد انسانی کی خصوصیات میں سے ہے انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شہوانی میلان کے غلات بھی اگر اس کی عقل ہدایت کرے حرکت کر سکتا ہو، اور اپنے فعل و ترک میں جی چاہنے نہ چاہنے کا پابند نہ ہو۔

یہ ارادہ اور وہ علم جس کا ذکر پہلے ہوا۔ بزرگ ترین مخلوقات یعنی انسان کے ساتھ مختص ہیں۔ اور ان ہی دو نشانیوں سے انسان حیوانات سے اور بڑا آدمی بچوں سے باعتبار اپنے کمال کے پہچانا جاتا ہے۔ بچہ جب اپنی پیدائش کے مدارج طے کرتا ہوا رحم مادر سے باہر آتا ہے تو وہ نہ بھلے برے، نیک و بد اور نافع مضر کی تمیز نہ کھتا ہے اور نہ اس کا کوئی ارادہ کسی قانون عقلی کا تابع ہوتا ہے۔ اور جوں جوں اس کے قریٰ میں نشوونما۔ اس کے علم میں ترقی اس کی معلومات میں وسعت ہوتی جاتی ہے اس قدر اس کے انفعال و اعمال فہم و دانش کے قاعدوں میں منضبط ہوتے جاتے ہیں۔ اب اگر اس کا علم سچا ہے اور اس کی عقل نے جو نئے نئے نفاذ کئے ہیں وہ صحیح ہیں تو اس کے سب عمل درست ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس کی عقل نے لغزش کھائی نافع کو مضر مضر کو نافع یا نیک کو بد، بد کو نیک سمجھ لیا تو ہرگز توقع نہیں کہ وہ اپنی حرکات و سکنات میں کچھ غلطی سے محفوظ رہے اس صورت میں ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ صحیح علم کے حامل ہونے کے ذرائع سوچے اور تازہ بست اپنے اندر ان کے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

لیکن جس حد تک غور کیا گیا علم کی حقیقت اس سے زیادہ معلوم نہیں

ہوئی کہ کسی چیز کا نقشہ ایسی طرح ہماری عقل میں کھینچ جائے جیسا کہ آئینے میں کسی شے کی تصویر نظر آنے لگتی ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص ہماری نظر سے گزرا یا ایک شاندار مکان ہم نے کسی جگہ دیکھا اور کچھ دیر کے بعد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ تو پھر ہم جب کبھی اس شخص یا اس مکان کو دیکھتے ہیں۔ فوراً شناخت کر لیتے ہیں کہ یہ وہی شخص اور وہی مکان ہے۔ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا نقشہ جو اس مکان یا اس شخص پر پورا پورا منطبق ہو موجود نہ ہوتا تو وہ اور کون سا معیار تھا جس کے ذریعہ سے اتنی مدت کے بعد ہم کو یہ شناخت ہو گئی۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کا ذہن عقل مثل ایک آئینہ کے ہے اور اس میں جو معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اس عکس کی مانند ہیں جو کسی شے کے محاذات کے وقت آئینہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ آئینہ میں صرف ان اشیاء کا عکس پڑتا ہے۔ جو آنکھوں سے نظر آنے کے قابل ہوں اور ذہن میں ہر شے کی چیزیں منقسق ہو جاتی ہیں۔ مثلاً کسی اسپیکر کی ایک لمبی چوڑی تقریر تم نے سنی اور اس کے مضامین کا خلاصہ تم نے اپنے ذہن میں ملحوظ رکھا تو اب جب کبھی کوئی شخص وہ تقریر کرے گا۔ تم فوراً سمجھ جاؤ گے کہ یہ بعینہ وہ مضامین ہیں جو فلاں اسپیکر نے بیان کئے تھے۔ اگر ان مضامین کا کوئی نوٹو تمہارے پاس نہیں تھا تو تم نے یہ کیسے جانا کہ وہ اور یہ تقریر ایک ہی ہیں۔ اس سے بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ ہمارے ذہن میں ان مضامین کا کوئی خاکہ موجود تھا۔ حالانکہ ان ہی مضامین کا عکس اگر ہم آئینہ میں لینا چاہیں تو بالکل

ناممکن ہے۔

غرض آئینہ میں اور ذہن میں اتنا تفاوت ہے کہ ایک میں مخصوص چیزوں کا عکس آتا ہے اور دوسرے میں ہر چیز کا مگر دونوں میں اس قدر اشتراک ہے کہ اس میں بھی کسی چیز کی تصویر حاصل ہوتی ہے اور اس میں بھی اب اگر کوئی چیز آئینہ میں منعکس ہونے کے قابل ہو لیکن منعکس نہ ہو تو جہاں تک تتبع اور استقرار سے معلوم ہوا اس کے پانچ وجوہات ہو سکتے ہیں۔ یا یہ کہ وہ جو تہر (لوہا) جس سے آئینہ بنتا ہے اس نے ابھی تک صقیل ہو کر آئینہ کی صورت اختیار نہیں کی یا آئینہ بن چکا۔ مگر رنگ آلود ہو گیا۔ یا صاف شفاف ہے مگر جس چیز کا عکس اس میں لینا چاہتے ہو وہ اس کے مقابل نہیں۔ یا مقابل بھی ہے مگر آئینہ کے اور اس شے کے بیچ میں کوئی دوسری شے حائل ہے یا عکس لینے والے کو یہ معلوم نہیں کہ اس صورت کا عکس کس جہت میں ہو کر لیا جاسکتا ہے۔ ان سب حالتوں میں اشیاء مطلوبہ کا عکس آئینہ میں نہیں آسکتا۔ اور اگر ان موانع میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو تو پھر محال ہے کہ محسوس کی صورت اس میں ظاہر نہ ہو۔

ٹھیک اسی طرح انسان کے قلب و عقل کی حالت ہے کبھی تو ایسا ہوگا کہ خود قلب بھی ناقص ہے اور انعکاس کی پوری قابلیت اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ جیسا کہ شیرخوار بچہ کا قلب کہ وہ معقولات کے علم سے بالکل غالی ہوتا ہے۔ اور کبھی معاصی اور ناپاک افعال کے ارتکاب سے قلب پر ایک قسم کی کدورت اور ظلمت چھا جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی پوری جہلا اور

صفائی باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اس میں لطیف اور باریک چیزوں کا انعکاس سبب ہوتا۔ اور خدا کی ذات و صفات اور غیب کے اسرار سے یہ قلب بالکل بے رخی رہتا ہے۔

اس قلب کے رنگ چھوڑنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ ہمہ تن زندگی اطاعت کی طرف توجہ اور مقصدائے شہوات سے پورا پورا اعراض کرے وہ مجاہدات کا وہ طریقہ اختیار کرے جو اس فن کے تجربہ کاروں نے ناجائز خواہشات کے استیصال کے واسطے تلقین کیا ہے۔ والذین جاهدوا انفسہم لعلہم ینفکوا۔ اور من عمل جماعہم ورثہ امثله علیہم مالہم بیکلہ میں اسی راہ کی طرف اشارہ ہے۔

لیکن کبھی آدمی کا قلب گناہوں کی آلائشوں سے پاک نہ صاف ہوتا ہے اور پھر بھی اس میں علوم ذات و صفات اور حقائق اشیاء مرتکم نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی توجہ ان چیزوں کی طرف کامل نہیں ہوتی بلکہ وہ آفات نفس کے جاننے یا طرق معاش کے مہیا کرنے میں مثلاً مصروف ہوتا ہے تو وہ چیزیں جن کی طرف اس کے قلب کو توجہ نہیں ہے۔ اسی طرح منعکس نہیں ہو سکتیں جس طرح آئینہ میں وہ صورتیں جو اس کے مجاہدات میں ہوں۔ ہاں قلب کبھی ہائے بھی ہوتا ہے اور توجہ بھی کامل ہے مگر وہ عائد عقائد جو تقلید یا حسن ظن کی بنا پر دل میں پیسے سے راسخ ہیں حقائق کے انعکاس کے لئے حجاب بن جاتے ہیں اور جیسا کہ اور شے مطلوب کے درمیان میں اگر کوئی شے حائل ہو جائے تو اس کا عکس اس میں نہیں پڑتا

ایسے ہی حجاب کے وقت ہماری عقل حقیقی علوم کے حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہے اور کبھی علم کے یہ تمام سامان جمع ہوتے ہیں مگر جن حاصل شدہ علوم پر یہ علم متفرع ہوتا ہے ان میں مناسب ترتیب قائم کرنی ہم کو نہیں آتی اس لئے ہم علم سے محروم رہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنی گدی کے پیچھے کا حال آئینہ میں دیکھنا چاہے۔ اب اگر وہ آئینہ کو آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے تو پیچھے کا حال اس میں کھل نہیں سکتا اور اگر پیچھے لیجاتا ہے تو گوا انکاس ہو جاتا ہے مگر آنکھیں اس عکس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ اُس وقت یہ شخص باوجود تمام اسباب مہیا ہونے کے عکس کے دیکھنے سے اس لئے محروم ہے کہ اس کو اس عکس کے لینے کا طریقہ معلوم نہیں۔ اگر کوئی اس کو یہ بتا دے کہ ایک آئینہ پیچھے لیجاؤ اور ایک آئینہ اس آئینہ کے محاذات میں اس طرح سامنے رکھو کہ جو عکس اس آئینہ میں پڑے اسی عکس کا پر توہ دوسرے آئینہ میں بھی آجائے تو اس طریقہ کے معلوم ہونے سے اس کی ساری مشکل حل ہو جائے گی۔ اور جو وقتیں اس عکس کے لینے میں وہ اٹھارہا تھا وہ یک لحظت جاتی رہیں گی۔

یہی حال بعینہ انسان کے قلب کا سمجھو اور یقین کر لو کہ یہی امور ہیں جو اکثر حقائق کی معرفت سے ہم کو بہ بہرہ رکھنے ہیں۔ اگر یہ موانع نہ ہوں تو بیشک ہر قلب اس فیض علم کے حاصل کر لینے کی پوری قابلیت رکھتا ہے جو فیاض ازل کی طرف سے بغیر کسی غل کے ہر وقت اور ہر آن جاری ہے۔
○ تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سچے مذہب کے احکام عقل کے مطابق ہوتے

میں ان کا یہ قول اس اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ ایک کامل اور صاف و شفاف عقل جس میں حقائق کے انعکاس کی سبب شرائط موجود ہوں۔ ہرگز خدا کے حکم کے خلاف حکم نافذ نہیں کر سکتی اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ احکام خداوندی کو اپنی عقل کی میزان میں نہ تو لو۔ ان کی غرض یہ ہے کہ ہماری زبان آلود عقلوں میں خدائی اسرار کا انعکاس نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جس فرقہ کا یہ خیال ہے کہ حقائق نبوت اور حقائق صفات الہیہ ہماری فہم و ادراک سے بالاتر ہیں وہ عام فہم اور ادراک کے لحاظ سے بالکل سچ کہتے ہیں اور جس شخص کا یہ قول ہے کہ نہیں یہ چیزیں بھی بذریعہ عقل انسانی کے دریافت ہو سکتی ہیں تو اس کا مدعی بھی غلط نہیں ہے۔ وہ بجا طور پر عقل انسانی اسی کو قرار دیتا ہے جس میں نفسانی کمزوریاں اور آلائشیں نہ ہوں۔

عرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ لوگ درہات عقل کے موافق جنت میں ہائیں گے اس پر محمول ہے کہ حقیقی عقل کو جس قدر ترقی ہوگی جنت کے دروازوں سے قریب ہوا جائے گا۔ اور یہ مقولہ کہ اکثر اہل جنت بے عقلی ہوں گے اس میں وہ لوگ مراد ہیں جو دنیا کی کاموں میں متوجہ نہ ہونے کی وجہ سے ابد سچے جاتے ہیں اور علیکم بدین العجاہ کا خطاب بھی انہیں۔ یہ ہے جن کے ذہن اسرار کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اب تم پھر ایک دفعہ ان متعارض اقوال کو یاد کرو جن کے سلیبان میں تم سخت پریشان تھے اور جن کی کوئی درست توجیہ تم سے میں نہ پڑتی تھی۔
اور اخیر میں امام صاحب کی اس زریں نصیحت کو خوب یاد رکھو:-

فلانذا باله تن عن السماع ولا
غنا بالسماع عن العقل فالاداعي
الى محض التقليد مع عزل العقل
بالكلية جاهل والممكن في مجرد العقل
عن انوار الفکر والسمعة مغرور
فاياك ان تكون من الغريقين وكن
جامعا بين الاصلين فان العلوم العقلية
كالاذنية والعوام الشرعية
كالادوية والشخص المرضي
يستغنى بالغذاء متى فائت الادوية
فكذا امراض القلوب لا يمكن
علاجها الا بالادوية المستفاد
من الشريعة وهي وظائف العبادات
والاحمال التي ركبها الانبياء
صلوات الله عليهم للاح العقول
فمن لا يبادي قلبه المرضي بمالها
العبادة الشرعية واكتفى بالعلوم
العقلية استغنى بها كما يستغنى
المرضى بالغذاء ووطن من نظن

برحق، کو نقل سے استفادہ اور عقل سے بے نیاز
ہے۔ یہ اگر عقل کو معزول کر کے صرف تقلید پر جانے
والا جائے، ہے۔ بطریق وہ شخص بھی دھوکہ میں ہے
جو قرآن و سنت کے انوار سے علیحدہ ہو کر مرنے والی عقل
پر مجبور ہو کر ہے تو تم کہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی
میں ہی داخل نہ ہو چاہئے بلکہ عقل و نقل کو جامع بنانا
چاہئے۔ کیونکہ علوم عقلیہ عقل کی غذا علوم شرعیہ اسکی
دوا ہیں اور جو شرعی دوا کا استعمال نہ کرے اس کو غذا
کے اعتبار سے نقصان پہنچ جاتا ہے یہی حالت ان
کے امراض کا ہے کہ انکا علاج شرعی دواؤں سے
یعنی ان عبادات اور اعمال سے ہی ہو سکتا ہے جن کو
انبیاء علیہم السلام نے اس کام کیلئے ترکیب دیا ہے
پس جس کا دل بیمار ہو اور طب شرعی کے بموجب اسکا
معالجہ بھی نہ کرے اور علوم عقلیہ کو اپنے حق میں کافی
سمجھے وہ اسی طرح ہلاک ہو گا جس طرح بیمار آدمی غذا
سے حرک ہو جاتا ہے۔ باقی جو لوگ سچے علوم عقلیہ کو
علوم شرعیہ کے خلاف تصور کرتے ہیں اور دونوں میں
تقلید کو محال سمجھتے ہیں۔ یہ ان کا خیال اس پر ہے
ہے کہ انکی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں۔

ان العلوم العقلية مناقضة للعلوم الشرعية وان الجملة بينهما غير

ممكن ان صاد عن عمى في عين البصيرة

نغزو بالله منه (خدا کی پناہ۔)

یہاں تک ہم نے امام غزالی کی تقریر کا حاصل نقل کر دیا امام صاحب کی
تقریر اگرچہ نہایت صاف نہایت ایس۔ نہایت عام فہم اور نہایت پراسرار ہے
لیکن اس میں چند ایسی نکتہ منافی و متضاد بھی ہیں جن کا انکار کر دینا ہمارے ایک
بیباک حریت سے کچھ مستبعد نہیں ہے۔

ہم امام صاحب کے اس قابل قدر بیان کی بہت کچھ عزت کر سکتے ہیں لیکن
ہمارا ایک ظاہر پرست اور آزاد منش مقابل اس پر نکتہ چینی کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ
اگر ہم ذہن میں صورتوں کا انعکاس تسلیم کر لیں تو جو شرائط آئینہ میں انعکاس کی واسطے
قرار دی گئی ہیں ان سب کا ذہن میں پایا جانا کیوں ضروری ہے۔ یہ ہم نے مانا کہ ذہن
میں اور آئینہ میں ایک حد تک مشابہت پائی جاتی ہے مگر ان دونوں میں تفاوت
بھی بے انتہا ہے جس کا اعتراف ہم بھی پہلے کر چکے ہو۔ اب ان تغایر کی بنا
پر بعض وہ شرطیں جو آئینہ میں ضروری ہیں حصول علم میں ضروری نہ ہوں۔ یہ ان کے
برعکس تو کیا مضائقہ ہے۔

اسکے سوا یہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ اعمال بد کی مباشرت یا گناہوں کے
ارتکاب سے قلب پر کسی قسم کا تاریکی آجاتی ہے۔ اول تو ہم اعمال کی تقسیم کیا کرتے
بد کی ازاد تسلیم ہی نہیں کرتے۔ دوسرے معاملہ میں ملوث ہونا بیشک قوت علمیہ
کے لئے مضائقہ نہیں ہوتا بلکہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ لیکن قوت علمیہ کا اس اثر بد سے مناسبت

ہونا بظاہر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ نیز بقول قاضی ابن رشد اندلسی کے قرآن پاک نے
جاہلیا قیاس اور نظر کے طریقوں پر متنبہ کیا ہے اور خود بھی مختلف مواقع میں استدلال
سے کام لیا ہے۔ پس اگر شریعت کے احکام عقول عامہ سے بالاتر تھے تو قرآن نے
ہم سب کو عقل سے کام لینے اور غور و فکر کرنے کی طرف کیوں توجہ دلائی اور بقول ہر
کے ہر ایک انسان کو ایسے احکام کا مکلف بنانا کیونکر صحیح ہوا جو اس کی سمجھ سے
باہر تھے۔ حالانکہ انسان اپنے ذی عقل ہونے کی وجہ سے ہی تکلیف شرعی کا مستحق
ہوا ہے۔

یہ اور اس قسم کے اور شبہات ہیں جن کو سن کر ہم مرنے اتنا ہی کہنا چاہتے
ہیں کہ رُشعر

چو شہوی سخن اہل دل کو کھنکھاتا
سخن شناسی نہی دلبر خطا انجام داتا

اور پیاس خاطر معترض امام صاحب کے جاوہ استدلال سے ہٹ کر
یا آگے بڑھ کر اس زبردست فاضل کی تقریر کی عزت رجوع کرتے ہیں جس
کی تصنیفات میں جتنا غور کر دیتا ہے اس کی وہبی دانشمندی اور صادق البیانی
کا اعتراف لازم ہے۔ یہ وہ فاضل ہے کہ جسکو اگر ہم اپنے عہد کا شیخ اکبر امام غزالی
اور شاہ ولی اللہ سب کچھ کہہ دیں تو حیا نہیں۔ اور یہی وہ فاضل ہے جس نے
علم کلام کی ایک ایسے انوکھے طرز میں بنا ڈالی جو دانشاء اللہ، قیامت تک
کے واسطے پتھر کی لکیر ہے اور جس پر ہمارا ناز کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

اس فاضل نے جس کو عام طور پر مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اپنی مختلف کتابوں میں جو مفید بیانات درج

کئے ہیں وہ اس مسئلہ عقل نقل میں ہماری بہت زیادہ مشکل کشائی کرتے ہیں اور
اب ہم ذیل میں کچھ لکھیں گے وہ تمام تر انہی تصانیف سے ماخوذ ہو گا۔ شعر

مطرب تراندہ گر از پردہ ساز کن
زیرا کہ حرف عشق نیدارد انتہا

○ معینہ عالم کا وسیع مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی روشن ہو چکی ہے کہ
بقول طبعیین کے فطرت نے اور خیال اہل مذاہب کے، خدا کے مختار نے دنیا
کی کوئی چیز بیکار نہیں بنائی اور جوں جوں تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے
دوں دوں ہر ایک چھوٹی بڑی چیز کے منافع ہم پر ظاہر ہونے جاتے ہیں۔ اس لحاظ
سے کائنات کا ہر جزو بیش قیمت حکمتوں کا مجموعہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر شے
کا تعلق کسی نہ کسی ایسی ایک یا چند اغراض سے بھی ہوتا ہے جنکی کمی زیادتی پر اس
شے کا کمال اور نقصان منحصر ہے اور جن کو ہم اس شے کے اصلی اغراض کہہ سکتے ہیں
مثلاً حیوانات میں گھوڑے کی طرح دوڑ اور اس کا حسن رقعہ رفتار پر موقوف ہے
اگرچہ وہ گدھے کی طرح پالان بھی اٹھا سکتا ہے اور گائے بکری کی طرح اس کو
ذبح کر کے کھا بھی سکتے ہیں۔ اور اس کا دودھ بھی پی سکتے ہیں۔ لیکن یہ اس کے دور
کی افراط یا بدن کی فریبی یا بابر برداری کی طاقت اس کی قدر و قیمت میں اسی طرح
کچھ زیادہ و خیل نہیں جس طرح گائے اور بھینس میں چونکہ مقصود اعظم دودھ کی میو
ہے اس لئے ان کی تیز رفتاری اور قدم بازی کا کوئی اثر ان کی بھلائی برائی پر نہیں پڑتا
یا گلاب کے پھول کی حسن و خوبی اس کے رنگ و خوشبو سے ہے۔ ذائقہ سے کچھ
بھی عرض نہیں ہوتی۔ یا آم کے ذائقہ سے سرکار ہے اس کے رنگ و خوشبو
سے چنداں تعرض نہیں کیا جاتا۔ ایسے ہی کتاب سے اگرچہ ہم کسی وقت تمکیم کا

کا کام لے سکتے ہیں۔ لیکن غرض اصلی اس سے پڑھنا ہی ہوتا ہے۔ یا ضرورت کے وقت کپڑوں کو جلا کر کھاپکا سکتے ہیں۔ مگر اہم مقصد ان سے یہی ہے کہ وہ آدمی کے بدن کی پردہ پوشی اور زینت کا سبب بنیں۔

غرض عالم کے تمام اجزاء پر نظر ڈال جائے۔ ہر موقعہ پر یہی شان نظر آئے گی پھر ناممکن ہے کہ انسان جو ہمیشہ اپنے اثرات، المنکرات ہونے کا دعویٰ کیا کرتا ہے کسی ایسی عرض اعلیٰ اور مطلب اعظم سے خالی ہو جس کے ہونے نہ ہونے پر اس کی بھلائی برائی مؤثر ہو اور جس کے ذریعہ سے وہ روح و دستانیش یا مجبور و مست کامستور سمجھا جائے۔

بیشک اس مقصد اعظم کے متعین کرنے میں ہم کو سخت دشواری پیش آئے گی لیکن ہم اس عقدہ کو خود اعضاء انسان کی بناوٹ اور اس کے قوی کی ترکیب سے حل کریں گے اور ہم یقین کرتے ہیں کہ خود انسان زبان حال سے اس مقصد کی جستجو میں ہماری رہنمائی کرے گا۔

ہم جب اس معجز مرکب (انسان) کی اندرونی و بیرونی حالتوں میں غور کرتے ہیں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل پانچ چیزوں سے اس کی ترکیب عمل میں آئی ہے۔ عقل، یعنی قوتِ علمیہ، شوق یا خوف، ارادہ اور اختیار، قدرت اور طاقت، ہاتھ پاؤں آنکھ ناک وغیرہ اعضاء جسمانی چنانچہ جس قدر کام انسان کرتا ہے ان میں یہ پانچوں آلات اپنا اپنا عمل کرتے ہیں۔

فرض کرو کہ ایک شخص شب کے وقت ایک جنگل میں چلا جا رہا ہے اس نے درخت سے اپنے رستہ پر کسی جانور کو دیکھا۔ جس کی نسبت کسی تو اس کا خیال ہوتا ہے کہ

یہ شیر ہے اور کبھی سمجھتا ہے کہ کوئی بیل کھڑا ہے۔ اب فطرۃ انسان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے نفع اور نہر کے پہلوؤں کو سوچے۔ اگر اس پر ضرر کا پہلو متعین ہو گیا یعنی یہ کہ بچاڑ کھانے والا شیر ہے تو طبعاً اس پر ایک قسم کے غٹ یا ابتدائے کینیت طاری ہوگی اور اس کی قدرت اور طاقت، تحریک میں آئے گی۔ اور اگر اعضا جسمانی قابو میں ہوئے تو اسے پاؤں وہاں سے بھاگنا شروع کر دے گا۔ اور اگر یہ شخص اس جانور کو شیر سمجھتا یا شیر سمجھ کر ایذا پہنچانے والی چیز نہ تصور کرتا تو برابر اپنے شوق میں اُدھر بڑھتا چلا جاتا۔

اس سے یہ امر بدیہی طور پر ثابت ہوا کہ شوق اور خوف، ارادہ اور اختیار طاقت اور قدرت ہاتھ اور پاؤں وغیرہ (جن کے مجموعہ کو ہم قوتِ علمیہ سے تعبیر کرتے ہیں) سب کے سب عقل یعنی قوتِ علمیہ کے محکوم اور زیر فرمان ہیں۔ اور جب عقل مفرد قوتِ علمیہ کا کام نافع و مضر کی شناخت یا نیک و بد کی تمیز اور قوتِ علمیہ کا کام حسب اشارہ عقل کسی عمل کا وجود میں لانا ضرر و اذیّت کی حکومت اور دوسرے کی محکومی کے لحاظ سے ان دونوں کے مجموعہ یعنی انسان کا کل کام یہ ہوا کہ وہ سوچ سمجھ کر مفید مشاغل میں پڑے اور مضر کاموں سے بچے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ دنیا میں اعمال کی تقسیم نیک و بد یا نافع و مضر کی طرف ہو سکتی ہو۔ کیونکہ اگر عقل دنیا سے بھلے بڑے کا فرق بالکل اٹھا دیا جائے تو قوتِ علمیہ کے کارناموں کے لیے کوئی میدان ہاتھ نہ آئے گا جیسا کہ ہم ابھی بتلا چکے ہیں کہ قوتِ علمیہ صرف یہی کام کر سکتی ہے کہ مفید اور بہتر کاموں کا ناقص اور مضر کاموں سے انتخاب کرتی رہے اور قوتِ علمیہ کی اس کارگزاری کے لئے دو قسم کے اعمال کا اس کے سامنے پیش ہونا

مزدی ہے۔

آپ چونکہ یہ ثابت ہو گیا کہ اعمال کی قسمیں کے بغیر انسان کی خلقت ہی بیکار رہتی ہے تو اس کا بھی سراغ نکل آیا کہ تمام عالم ہمیشہ سے اس پر منتق کیوں ہے کہ اعمال و طرح کے ہوتے ہیں۔ نیک اور بد یا دوسرے الفاظ میں نافع اور مضر یہاں تک کہ جو محمد کسی مذہب کے قائل نہیں وہ بھی افعال و اعمال کی اس پیرہی تفریق کو تسلیم کرتے ہیں۔

اب چونکہ گفتگو باقی ہے وہ صرف اس میں ہے کہ اعمال میں نیک و بد اور نافع و مضر کی تعین کس طور پر کی جائے یعنی یہ کس طرح معلوم ہو کہ یہ فعل اچھا ہے یا برا۔ اس سے راحت پہنچے گی۔ اس سے تکلیف لیکن خوش قسمتی سے جو تقریر میرا مقوم ہوئی اس سے اس سوال کا جواب بھی کافی حد تک نکل آیا۔ کیونکہ جب عقل یا قوت علیہ اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ وہ بھلے اور برے یا مفید اور مضر اعمال میں امتیاز قائم کیا کرے۔ تو یقیناً قدرت نے اس میں اس امتیاز صحیح کا ملکہ و ویت کیا ہوگا۔ اس وجہ سے یہی رائے مضبوط معلوم ہوتی ہے کہ عقل سلیم جس کام کا حکم کرے وہ نافع ہو اور جس سے وہ انکار یا گریز کرے اس میں کوئی مضرت ہو۔

یہاں سے اس کی بھی قوی امید ہوتی ہے کہ اگر خدا کی جانب سے بندوں کی ہدایت کے لئے کچھ احکام نازل ہوں دجن کے مجموعہ کو مذہب کہتے ہیں، تو وہ بھی موجب عقل کے موافق ہوں ورنہ خدائے برتر کی دانائی اور متانت پر یہ الزام عائد ہوگا کہ اس نے عقل کو بھی ہمارے قوی پر حکومت عطا کی تاکہ وہ سب اس کے اشاروں پر کام کریں اور رسول کو بھی حاکم بنا کر بھیجا تاکہ اس کی اطاعت

کی جائے۔ اور ساتھ ہی دونوں کو متضاد بلکہ متناقض احکام بھی دیدے؟ جن میں سے ایک کو قبول کرتے ہیں تو لازمی طور پر دوسرے سے سرتابی کرنی پڑتی ہے عرض اب نہایت باوثوق طریقے سے یہ طے ہو گیا کہ سچا مذہب وہی ہے جو عقل سلیم کے مطابق ہو۔ اور بقول قاضی ابن رشد کے ہر اس شخص کو جس کے پاس عقل سلیم موجود ہے اپنے عقل سے کام لینا اور نظر و فکر کے صحیح طریقوں میں غور کرنا چاہیئے۔

اور بیشک تمام قرآن اور تمام احادیث کا یہی منشا ہے کہ وہ عقل کے دستور العمل کے موافق تعلیم دیں۔ اور ہر انسان کی عقل جب تک کہ وہ گرد و پیش کے خیالات سے متاثر نہ ہو اور جب تک کہ عقلی صحت کا زائل کر دینے والا کوئی مرض اس کو لاحق نہ ہو ان ہی سچے اعمال کی ہدایت کرے گی جن کے رواج دینے کے واسطے خدا کے صادق القول پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔

لیکن ان تمام مراحل کے بعد بھی ہم کو جس مرحلہ کا طے کرنا ہنوز باقی ہے وہ یہ ہے کہ عقل کے ساتھ سلیم کی قید بڑھانے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض عقوبتیں غیر سلیم بھی ہوتی ہیں اور جب سلیم کے معنی تندرست کے قرار دیئے گئے ہیں تو غیر سلیم اس عقل کو کہیں گے جو مر بین اور بیمار ہو۔

تو یہ ہم انجک نہیں سمجھ سکتے کہ تندرست سلیم عقل کو فسی ہے اور بیمار کو فسی۔ آیا عقل کو بھی کوئی مرض لگ سکتا ہے اور اگر بالفرض لگ سکتا ہے تو اس کا علاج کیا ہے؟ اس کے واسطے طبیب کون ہے؟ اور اس کے مرض کی علامات کیا ہیں؟

صرف یہی استفسارات ہیں جو باقی رہ گئے۔ اور ان ہی کے حل ہو جانے پر اس بحث کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کو ان سوالات کا جواب سننے سے پہلے چند مختصر امور کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

(۱) اول یہ کہ جو کام ایسے آلات کے ذریعہ سے کیا جائے جن میں احساس اور ادراک نہ ہو تو اس کام کا نفع نقصان ان آلات کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس شخص سے تعلق رکھتا ہے جو ان آلات سے یہ کام لینے والا ہے مثلاً بڑھئی کے کام میں بسولہ آتا ہے اگر اس کی دھارہ جھڑ جائے یا لکھنے میں کاتب کے قلم کی نوک ٹوٹ جائے تو یہ سب بڑھئی اور کاتب کا نقصان سمجھا جائے گا بسولہ اور قلم کے حق میں نہ کوئی نفع متصور ہے نہ نقصان۔ کیونکہ نفع نقصان کا وجود درحقیقت راحت اور تکلیف سے وابستہ ہے اور راحت و تکلیف کو درجی اشیاء محسوس کر سکتے ہیں جن میں ادراک اور شعور ہو۔ بہر حال جب آلات کا نفع و ضرر اصل ناعل کا نفع و ضرر دھڑھڑا تو قوی عملیہ کے کاموں میں جو کچھ نفع یا نقصان ہوگا وہی الواقع عقل اور درج کا ہوگا کیونکہ ادراک و شعور عقل و درج ہی کا خاصہ ہے اور سب قوتیں اس کے آگے بمنزلہ آلات کے ہیں جیسا کہ ہم ابھی تحقیق کر چکے ہیں۔

(۲) دوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ قوت عقلیہ اور قوت عملیہ کے مابین قدرت نے کچھ ایسا مستحکم رابطہ پیدا کیا ہے کہ ان میں ہر ایک کے آثار دوسرے تک متعدی ہوتے ہیں۔ قوت عقلیہ کے جو آثار قوت عملیہ میں ظاہر ہوتے ہیں کچھ تو وہی ہیں جن کا تعلق صفت حکومت سے ہے یعنی تمام قوی عملیہ کا بمقتضائے حکومت

عقل کے ایک اشارہ پر حرکت میں آجاتا اور بعض آثار ایسے ہیں جن میں عقل کی اس حکومت کو کچھ بھی دخل نہیں۔ جیسے غصہ کے وقت چہرہ کا کھٹکنا اور آنکھوں کا سرخ ہونا یا نخوت کے وقت جسم کا کانپنا اور رنگ کا اڑ جانا۔ ان حالتوں میں جب کسی اشتعال انگیز یا ہیبت ناک چیز کا ادراک عقل کو ہوا تو فوراً ہلار ادا اور بلا اختیار غصہ یا نخوت کے آثار جسم پر ظاہر ہو گئے۔ دراصل ایسا حکومت کی جنسیت میں تعدل اور اختیار کا پایا جانا ضروری تھا علیٰ قیاس قوت عملیہ کی طرف سے بھی جو اثر عقل و درج تک پہنچتا ہے وہ طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہی بلحاظ محکومیت اور اگر بننے کے قوت عملیہ کے تمام منافع اور مضار کا عقل کے واسطے ثابت ہونا دوسرے بعض کیفیات بدنی سے عقل و درج کا بے اختیار کلفت یا راحت اٹھانا چنانچہ میل کچیل اور بول دراز سے جو کچھ نفیس طبعوں کو کدورت یا بیمار دور و سر وغیرہ میں کلفت یا بدن کی صفائی کی لذت اور عافیت میں راحت ہوتی ہے وہ سب اسی قسم میں داخل ہے۔ اب جانیں سے ان پنہائی تعلقات۔ تاثیرات اور فعل و انفعالات کے سلسلہ کو دیکھیں کہ کوئی قطع طوریہ یقین ہو گیا کہ قوت عملیہ کے بعض اعمال قوت عقلیہ (یا عقل و درج) کے حق میں مفید اور بعض مضر ہو گئے۔ اور کوئی ایک فعل بھی قوت عملیہ کا اس نفع و ضرر سے خالی نہ ہوگا۔

○ پس اگر کوئی ایسا کامل آدمی جس کی روح کی صحت اور عقل کی سلامتی، دلائل قویہ سے ثابت ہو چکی ہو اعمال کے حسن و قبح کے متعلق کچھ فطری ناقد کرے اور ہم اپنی قوت عقلیہ کی کاروائی اس کے خلاف یا نہیں تو ہم کو اطمینان کر لینا چاہیے کہ ہماری قوت عملیہ مضر یا بالفاظ دیگر مرض میں مبتلا ہے اور اسے تاثیر و تاثر کے

کے قانون کے موافق جو قوت علیہ اور عقل کے درمیان ابھی ثابت ہو چکا ہے یہ کہنا چاہیے گا کہ قوت علیہ یعنی عقل بھی اپنی اصلی حالت پر نہیں ہے بلکہ بیماری میں پھنسی ہوئی ہے کیونکہ اگر عقل تندرستی کی حالت میں ہوتی اور پوری قوت کے ساتھ صحیح احکام نافذ کرتی تو قوت علیہ جو ہر طرح سے اس کی محکوم اور بندہ بردست ہے ہرگز اس کی عدول حکمی نہیں کر سکتی تھی۔

اس سے بھی زیادہ ضعف اور اضحلال عقل کا اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ وہ خود بھی کسی عمل کے فوائد یا نقصانات سے واقف ہو۔ اور شہوت کے غلبہ یا کسی نفع جزئی معطل سے متاثر ہو کہ اپنے اصلی حکم کے خلاف قوت علیہ سے علمدار آمد کرادے۔ حتیٰ کہ عمل کی ممانعت سے عقل ایسی پاگل بن جائے کہ اسی مرض کو صحت سمجھنے لگے۔ چنانچہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے حالات کا تتبع کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اکثر افراد اس قسم کے روحانی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ دور کیوں جاتے ہو۔ اپنے زمانہ ہی کا حال مشاہدہ کر لو کہ اکثر لوگ ایسی موٹی

موٹی باتوں میں جن کے بھلے برسے سے سب واقف ہیں۔ جان بوجھ کر غلط عقل علمدار آمد رکھتے ہیں۔ اور خاص وہ امراض جو تپ دق کی طرح مریض کو بھی کم محسوس ہوتے ہیں ان کی تشخیص تو کوئی طبیب ہی کر سکے تو کر سکے۔ پھر اکثر ارداد کا یہ حال ہے کہ بچپن سے تاحیات ان علتوں میں گرفتار رہنے کی وجہ سے صحت کی لذت سے آشنا ہی نہیں ہوتیں۔ اور کینہ حسد بخل تکبر۔ خود پسندی وغیرہ امراض سے قطع نظر کہ وہ عام امراض جن کو دوائی امراض کہنا چاہیئے نہایت کثرت سے وقوع میں آتے رہتے ہیں۔

جس قوم کو چاہیے وہ دیکھ لیجئے کہ شادی۔ غمی۔ اور سوائے ان کے اور معاملات میں بجایہ ایسی فیو د اور رسوم قبیحہ کے پابند ہیں کہ جن کے نقصانات کا دل جان سے اقرار کیا جاتا ہے اسی طرح ہر فرقہ ایک مجدد ای عتقاد پر دل جمائے بیٹھا ہے۔ اگر ان سارے فرقوں میں سے کسی ایک کو بھی حق پر قرار دیں تب بھی اکثر لوگ تو باطل پر ہی نکلیں گے۔

پھر اکثر اقوام کی بعض عادتیں ایسی خلاف عقل ہیں کہ جن کی قباحت تمام اہل مذاہب کے نزدیک مسلم ہے۔ ہندوستان کے رانگھڑ گوجر اور افغانستان کے کوہستانیوں اور عرب کے بدوؤں میں چوری قزاقی اس درجہ مروج ہوئی ہے کہ ردا ج کی زد سے ان کے خیال میں موجب طعن و تشنیع نہیں رہی۔ طوائف کی قوم میں زنا کی اس درجہ ترقی ہے کہ معیوب ہونے کے بجائے اس کو اپنا ہنر سمجھنے لگیں۔ بیویوں کی بڑولی اور غل غلہ ہو گیا ہے۔ اور دوسری بعض قوموں میں شراب نوشی بے پردگی اور ترک ناموس کی یہ نوبت پہنچی ہے کہ اس کے نتائج بد برابر دیکھتے ہیں مگر زبان پر نہیں لاتے۔ غرض مختصر نظر لیں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ آدہ کا آدہ بگڑا ہوا ہے جس کی اصلاح کی توقع بھی بہت کم ہو سکتی ہے۔

ایسی ابتر حالت میں جبکہ کوئی عقل بھی دالاماء اللہ مرض سے خالی نہیں ہے مجدد صاحب نے اگر یہ فرمایا کہ نبوت کا راستہ عقل کے راستہ سے علیحدہ ہے تو ہمارے نزدیک بہت بجا فرمایا کیونکہ بیمار کی طبیعت لمبا اوقات ایسی اشیاء کی طرف راغب ہو جاتی ہے جو اس کے لیے مضر ہیں اور ان چیزوں سے

نفرت کرتی ہے جو فی الواقع اس کو طبعا مغرب میں بخار والا اکثر کھانے سے متغیر ہو جاتا ہے۔ اور ذہل کی کلن یا غارش کی نوچ میں انسان اپنے بدن کے تراشے اور کھال کے نوچنے پر بے اختیار مائل ہوتا ہے۔ لیکن وہ نفرت اور یہ رغبت دونوں بے محل ہیں جن کا باعث یہ ہی مرض ہوا ہے۔

اب اگر مجبور و صاحب یا اور کوئی عالم یہ حکم صادر فرمائیے کہ مغرب مغرباً عقل سلیم کے مجموعہ کا نام ہے اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی اتقان مریض عقلوں کے واسطے آزادی یعنی مطلق العنانی کا اچھا خاصہ بہانہ ہاتھ آجاتا اور وہ ہرگز تندرست اور بیمار عقل میں تفریق قائم نہ رکھتیں۔ جس سے دنیا میں ایک فساد عظیم برپا ہو جاتا اور ہدایت کے بجائے گمراہی پھیلتی۔

بہر حال جبکہ اس امر کا باد رکھ لینا بالکل آسان ہو گیا کہ اکثر انسانی عقلیں مبتلا امراض رہنے کی وجہ سے اس پر قادر نہیں ہیں کہ وہ یقین اور اطمینان کے ساتھ تمام اخلاق و اعمال میں نیک کو بد سے اور مفید کو مضر سے تمیز و لیکن تو ہم اپنا اس بارے میں کسی ایسے طبیب حادث کی طرف رجوع کرنا ضروری قرار پایا جس کی رائے کبھی غلطی نہ کرتی ہو۔ جو اپنے مریضوں پر پورا پورا رحم کھانے کے علاوہ تمام دواؤں کے خواص اور اوزان سے واقف ہو جس کو مختلف دواؤں اور غذاؤں کی تاثیرات کے باریک سے باریک فرق معلوم ہوں اور جس کی نظریاتوں کے اختلاف اور رد و ج کی تمکین پر کامل طور سے جاری ہو۔

لیکن ایسا طبیب اس حکیم علی الاطلاق کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ جس کے سہارے تمام عالم کی ہستی قائم ہے جس کی ذات ہر قسم کے عیوب اور امراض

سے پاک ہے اور جس کے وجود اور کمالات کو عنقریب ایک مستقل رسالہ میں ہم روشن دلائل سے ثابت کریں گے۔

دنیا میں جس قدر ہادی آئے۔ جن مقدس بندوں نے اپنی نبوت کا سکھارہ جتنے سچے شریعتوں کے تبلیغ کرنے واسطے گزرے وہ سب کے سب اسی حکیم مطلق کے مطب کے نسخہ نویس اور تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اسی انسانی کالج کی اسناد و فیصلت لوگوں کو دکھلائیں اور اسی حکیم برحق کے عطا کئے ہوئے اعلیٰ تحفے اور نشانات پیش کئے تاکہ اللہ کی مخلوق ماہر طبیبوں کو اشتہاری حکیموں سے جدا کر سکے۔ بہر اور بہرین کے پہچانے میں، دھوکہ نہ لگے اور محافطوں کی جماعت پر نشیروں کا اشتباہ نہ ہو۔

ہم جب نبوت کی ضرورت اور دینی کے تعین پر مبسوط بحث کریں گے اس وقت ان اطلاعات کا تفصیلاً ذکر کریں گے جن سے کسی خاص شخص کی نسبت یہ دریافت ہو سکے کہ وہ خدائی مدرسہ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دنیا میں حکیم علی الاطلاق کی نیابت کا واقعی مستحق ہے۔

مگر اس موقع پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف اتنا دکھانا چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فیوضات اخذ کرنے اور اس کے علوم و کمالات کا مظہر بننے کے واسطے انسان میں عادی کن شرائط کی ضرورت ہے یا بالفاظ دیگر حق تعالیٰ کے مدرسہ میں طب و روحانی کائناتوں کس استعداد پر موقوف ہے۔

بلاشبہ اس قسم کے عمیق مباحث میں دخل دینے کا ہم کو کچھ استحقاق نہیں ہے اور جس دلدلی میں ہم قدم زن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کو باسانی قطع

کر لینے کا خیال محض ہماری فکر کے خارج از مصلہ بلند پروازی سے زیادہ وقت نہیں رکھتا۔ لیکن اس نادر اہم مسافر کو راستہ کی مشکلات کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے جس کی دستگیری کے واسطے ایک اعلیٰ درجہ کا مبصر اور تجربہ کار ہلوی موجود ہو۔

ہم پہلے بھی جن تیرہ ذرائع راہوں کو طے کر کے اس مقام تک پہنچے ہیں ان میں کوئی گزرا آسان نہ تھا اگر قاسمی تصنیفات ہمارے لیے مشعل راہ نہ ہوتیں اور اب بھی انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ ان ہی کی روشنی میں منزل پیش آمدہ کے مہالک خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم اپنے مقصد اعلیٰ پر صاف جا پہنچیں گے۔

وہ ذات بابر کات جس کی قوت قدسیہ نے شریعت صادقہ کے پیچ و پیچ اور نظری و نظری اسرار کو بھی براءت کی حدود کے قریب لا رکھا ہے۔ اگرچہ وہ خود دنیا سے اٹھ گئے مگر ان کی قیامت تک نہ مٹنے والی یاد گاریں ہماری رہنمائی کے واسطے زندہ جاوید ہیں۔

اس میں ہرگز مبالغہ نہیں کہ اگر حضرت مولانا محمد قاسم روحی دار و اکم فدا کی پیش ہا کتا بوں پر میری دسترس نہ ہوتی تو میں ہرگز اس طرح کے نازک مسائل پر بے خوف و خطر قلم اٹھانے کی جرأت نہ کر سکتا۔ اس لئے یہ سخت احسان فراموشی اور خیانت متصور ہوگی کہ میں کسی ایسے مضمون کو اپنی طرف منسوب کر کے جو درحقیقت حضرت مولانا مرحوم کی تصانیف سے اخذ کیا گیا ہو اپنی غیر واقعی عظمت و تفوق کا ثبوت پیش کر دوں۔ میں اس سے زیادہ اپنے کو خوش قسمت اور فائز المرام بنانے کی تمنا نہیں رکھتا کہ مولانا کے عالی مضامین

میری پیرایہ بیان میں اس طرح ادا ہو جایا کریں کہ ان کی تعبیر میرے مدعا کے واسطے مفید اور صحیح ہو اور اپنے تصور فہم یا پریشانی یا تقریر کی وجہ سے دلائل کی تقریب ناقص نہ رہے۔ چنانچہ اس وقت بھی جس بحث کا آغاز کیا جاتا ہے اس میں میرا صرف اسی نذر تصرف ہوگا۔

یہ تجوش جس کی ابتداء سے آج ہماری تحریک کی دوبارہ ابتداء ہوئی ہے فی الحقیقت نبوت کی بحث ہے اور ہم کو بحث و دھرمی اور دھرمی کا دھرمی سے نہیں بلکہ محض حق پرستی اور انصاف کے ساتھ یہ دیکھنا ہے کہ وہ پر عظمت و جلال مضمون جس کے لئے نبی رسول پیغمبر و غیرہ الفاظ وضع کئے گئے ہیں کیا خارج میں واقعی طور پر اس کے کچھ افراد موجود ہیں یا وہ بھی جملہ ان شاندار تجملات کے ایک تخیل ہے جن کو غیب الوہم لوگوں کے دماغ فرصت اور تنہائی میں بیٹھ کر اختراع کرتے رہا کرتے ہیں۔ اس آخر احتمال کو سن کر جس سے شان نبوت میں سخت ملحدانہ گستاخی ہوتی ہے

ہم کو اندیشہ ہے کہ شاید کوئی جوشیلے مسلمان ہمارے ایمان میں تردد پیدا کر کے ہم پر یہ بے بنیاد بیٹھیں اس لئے ہم اب سے صاحبوں سے باوہ عرض کرتے ہیں کہ وہ بجا اس کے کہ اپنے قابل تعریف غصہ اور جوش کو ہم مسلمان ناقلین کے حق میں صرف کہیں بہتر ہو کہ ان مطلق العنان و ہر یوں کی سرکوبی کے واسطے استعمال فرمائیں جن کی زبان سے ما یھلکنا الا اللہ ہوا اور ان ہی الاحیاء قاتل دنیا و غیرہ الفاظ قرآن کریم میں نقل کئے گئے ہیں اور جن کی ایک بڑی بھاری تعداد آج کل پورپ میں زبان قاتل سے اور ہندوستان وغیرہ میں زبان حال سے یہ صدائیں لگا رہی ہے کہ خدا کا وجود محض ایک فرضی وجود ہے۔ نبوت و رسالہ صریح کی عیالی کے نام ہیں۔ اعجاز

کہانات اگلے زمانہ کی نظر بند یوں کے افسانے ہیں۔ اور وحی والہام کی حقیقت دایوانوں کی بڑے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

یہ لوگ صرف ایک عقل کے اور وہ بھی اپنی عقل کے مشورہ کو ماننا چاہتے ہیں اور ان کے مذہب میں جادہ عقل سے ایک انج ادھر ادھر مٹنا کنفر و شرک یا کم از کم گناہ کبیرہ کے برابر ہے۔

بیزاریا شخص جس کو کبھی کسی مشکل مسئلہ کے متعلق افہام و تفہیم کا موقع ملا ہو گا بشرطیکہ اس کے بیوقوف مخاطب کے مسلمات بھی بہت ہی فقہور سے ہوں اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک ایسے آزاد فرقہ کی بے قید شبہات سے جس کا ذکر اد پر ہوا عہد ہوا ہو تا کس قدر دشوار مرحلہ ہے اور یہ کہ ہمارے مولائے روح فدوا ابی داحی، نے ان لامذہبیوں کے مقابلہ میں کس درجہ شبہات و استغلال اور معقولیت سے کام لیا ہے۔

مولانا کا اس آزاد گروہ سے صرف ایک سوال ہے وہ یہ کہ تمام مخلوقات میں نیک و بد کا تفاوت، بھلے برے کا فرق اور اعلیٰ ادنیٰ کے امتیازی مدارج جو ہماری تمہاری سب کی عقل نے قائم کر رکھے ہیں اس کا معیار اور پیمانہ عقل کے پاس کیا ہے عقل نے جمادات سے حیوانات کو کیوں اچھا بتلایا ہے اور تمام حیوانات کے اعتبار سے انسان کو کیوں پسند نصیبت عطا کی ہے جہالت کے مقابلہ میں وہ علم کی ہمیشہ کیوں مداح رہا کرتی ہے۔ اندہمت و شجاعت کے کارناموں کو وہ عین دنامردی کے برخلاف کسوجہ سے سربلند رکھنا چاہتی ہے۔ المختصر وجود کو عدم پر وجودیات کو عدمیات پر ہونے کو نہ ہونے پر استغنا کو

احتیاج پر اور راحت کو تکلیف پر کیوں ترجیح دیتی ہے۔ وہ کونسا نمونہ اس کے پاس ہے جس کے ساتھ مناسب و مشابہ ہونے اور نہ ہونے کی وجہ سے وہ مخلوقات میں سے ہر ایک چیز کو بھلا یا برا بنادینے کا استحقاق رکھتی ہے۔

اگر تم ایک اچکن کا کپڑا کسی ہوشیار درزی کو قطع کرنے اور سینے کے لئے دو یا بازار جا کر کوئی عمدہ ٹوپی اور خوبصورت جوتی خریدنے کا ارادہ کر دو تو بیشک تم ان سب چیزوں کی حس و خوبی اور خوردنیت و غیر خوردنیت کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھ سکو گے جو قدرت کی طرف سے تم کو ایسے ہی کاموں کے لیے عنایت ہوتی ہیں لیکن اس دیکھنے کے اندر تم کو چند پیمانوں پر ان اشیاء کے مطابق کرنے کی ضرورت ہوگی۔ مثلاً اچکن کو تم اپنے بدن پر پہن کر اور جوتی کو پاؤں میں ڈال کر اور ٹوپی کو سر پر رکھ کر دیکھو گے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز اپنے پیمانہ پر پوری نہ اترے بلکہ ڈھیلی یا تنگ رہے تو تم اس کو ناموزوں سمجھ کر مسترد کر دو گے اور اگر اتفاق سے کوئی چیز خاطر خواہ اپنے پیمانہ پر مطابق ہوگئی تو پھر خود خیال کر سکتے ہو کہ تم کہاں تک اس کی قدر دانی کے لیے تیار ہو گئے۔

○ ٹھیک اسی طرح عقل کے پاس بھی ہر نیک و بد کی تمیز کا کوئی پیمانہ اور بھلے برے کی شناخت کا کوئی معیار موجود ہونا چاہیئے کہ جس پر منطبق ہونے اور نہ ہونے سے وہ ہر ایک مخلوق کے حسن و قبح کے مراتب دریافت کر سکے۔

غالباً ہر عقل کے جذبہ نظرت میں جیسا کہ ہم عنقریب ثابت کریں گے۔ مخلوقات کے ماسوا ایک ایسی اعلیٰ ہستی کا ادراک موجود ہے جو عین وجود ہونے کی وجہ سے عدم و نیستی کا شائبہ اپنے اندر نہیں رکھتی اور اسی وجہ سے وہ ہر قسم

کی احتیاجات سے بے نیاز ہے۔ وہ جی ہے۔ عالم ہے قادر ہے۔ مشکلم ہے۔
الادہ اور اختیار رکھتا ہے۔ عرض کہ تمامی عمدہ صفات کے جامع اور ہر طرح
کے عیب و قصور سے بری ہے۔

اب جس حد تک عقل اپنی رسائی اور صفائی کے موافق کسی مخلوق کو اس
ایک چیز سے مناسب پاتی ہے اسی حد تک اس کو اعلیٰ اور افضل جانتی ہے اور
جو چیز اس سے بعید المناصبہ ہوتی ہے وہ تہائی عقل اس کو پستی کی جانب ڈھکیلتی
جاتی ہے مثلاً :-

وہ عقل کے مرتبہ شناسی کا معیار جس کو دوسرے الفاظ میں ہم خدائی عزوجل
کہتے ہیں، چونکہ وجود ہی وجود ہے عدم کا اس میں اصلاً اختلاط نہیں اسی واسطے
ہماری عقل موجودات کو ہمیشہ معدومات پر ترجیح دیتی ہے۔ پھر موجودات میں
بھی جس شے میں خدائی صفات کا کم و بیش ظہور دیکھتی ہے۔ اسی حیثیت سے
اس کی تعویق کو ان اشیاء کے مقابلہ میں تسلیم کرانے لگتی ہے جن میں وہ صفا
نپائے جاتے ہوں۔

دیکھو چونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ خداوند کریم زندہ ہے حیاں نہیں اور اس
باب میں ہم نے دیکھا کہ آدمی اور جانور خدا تعالیٰ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں
مٹی۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ شجر۔ حجر وغیرہ نہیں رکھتے تو ہم نے جان لیا کہ حیوانات کا
رتبہ جمادات سے اونچا ہے۔ اس کے بعد خیال کیا کہ خداوند کریم عالم ہے
جاہل نہیں اور ہر انسان باقی جانداروں سے علم و عقل میں ممتاز ہے تو ثابت ہوا
کہ انسان جملہ حیوانات میں اشرف و افضل ہے۔ پھر انسان بھی علم و اخلاق اور

احوال و اعمال میں متعارف اور کم و بیش ہیں تو جو کئی علم میں زیادہ ہوا در اخلاق
مثل قدرت۔ سخاوت۔ حلم۔ عفو وغیرہ کے جو خدائے تعالیٰ کے اخلاق میں کھتا
ہو وہ بلاشبہ اپنے انران سے فائق شمار کیا جائے گا۔

بہر کیف جس چیز کو بھی عقل بھلایا برا کہتی ہے اس کو ابتداء یا بالآخر اسے
ایک نمونہ اور معیار پر مطابق کر کے دیکھتی ہے۔ البتہ چونکہ باہم عقلوں میں تیزی
اور صفائی اور توجہ کے اعتبار سے بے انتہا فرق ہے اس لیے اس مطابقت
اور مناسبت کے معلوم کرنے میں بھی بے حد تفاوت ہونا چاہیے۔

○ اب تم خیال کر کہ دنیا کی سب چیزیں ارواح ہوں یا اجسام۔ اخلاق ہوں
یا اعمال معانی ہوں یا الفاظ باوجودیکہ خدائے برتر سے ایک قسم کی مناسبت رکھتے
ہیں۔ کیونکہ سب کی اصل وہی خالق ہے نیاز ہے اور سب کا وجود اسی کے
وجود کا پرتو ہے۔ لیکن پھر بھی اس مناسبت میں مخلوقات کے اندر زمین و
آسمان کا تفاوت ہے۔

ارواح کو بسبب اپنی لطافت کے جو قرب و مناسبت جناب باری
عزائم سے حاصل ہے وہ ہرگز اجسام کی کیفیت کو نہیں اور اجسام میں بھی مثلاً
آگ ہوا سے بعید ہے اور ہوا پانی سے اور پانی مٹی سے۔ تو اسی ترتیب سے
ان میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ شانہ کے ساتھ ایک طرح کا قرب و مناسبت
حاصل ہوگا۔ اور شاید اسی قرب و بعد کا اثر ہے کہ لطیف چیزوں سے باوجود
اس نزاکت کے وہ کارہائے نمایاں بن پڑتے ہیں کہ کثیف سے ہرگز نہیں ہو
سکتے برق ایک پلک چھکنے میں آسمان سے زمین پر آتی اور پھر آسمان پر

ہر جگہ اور ہر مکان میں بُدا جدا قطع سے وہ ہی جلوہ گری کئے ہوئے ہے ایسے ہی تمام کائنات کا وجود خداوند حقیقی کے نور وجود کی پرتو انشائی کا نتیجہ ہے۔ تو جس طرح آفتاب عالم تاب کو ہاں ہمہ علوم فیضِ قلعی دار آئینہ اور آتش شیشے کے ساتھ خصوصیت خاصہ حاصل ہے کہ دوسرے اجسام کے ساتھ

نہیں۔ (دیکھو۔ آتش شیشے میں سوائے روشنی کے آفتاب کی جانب سے ایک خاص حرارت اور آتش اثر کی بھی آمد ہے اور باقی اجسام کو جو وہیں اس کے پاس ہی رکھے ہوں اس تاثیر کی مطلق خبر نہیں۔ یا آئینہ قلعی دار میں آفتاب کی روشنی کا اس قدر اظہار ہے کہ در صورتیکہ دوسرے اجسام آفتاب سے فیضیاب ہو کر خود ہی روشن ہو جاتے ہیں یہ خود بھی سورج کی طرح چمک اٹھتا ہے اور جو اجسام اس کے بالمقابل ہوں ان پر بھی اپنا پرتو ڈالتا ہے۔)

اسی طرح فیض خداوندی کو بھی عام رخص سمجھنا چاہیے۔ کہ یہ فرق مجز فرق مناسبت اور فرق قابلیت کے اور کیا ہوگا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جیسے آفتاب کو آئینہ یا چتر سب برابر و یکساں ہیں ایسے ہی خدا کے بے نیاز کو بھی تمام مخلوق برابر ہیں کسی سے بخل نہیں۔ البتہ مخلوقات کی قابلیت اور مناسبت بے انتہا مختلف ہے۔

تو جو لوگ صاف باطن ہیں اور اپنے نبی نوع سے ایسے ممتاز ہیں جیسے آئینہ لوہے سے یعنی جیسے آئینہ دراصل وہ ہی لوہا ہے جو میل کپیل کے دور ہو جانے کے باعث صاف و شفاف آئینہ بن گیا ہے ایسے ہی وہ لوگ بھی مثل

انربا ہے اور اس سرعت سیر و سفر میں پہاڑ بھی اگر سامنے آجائے تو اس کی بھی ذرہ برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ شعاع شمس دھڑکایہ حال ہے کہ سرعت بہت بھی اس کے سامنے گروے کہاں زمین کہاں چوتھا آسمان۔ خیال کرتے ہوئے دیر لگتی ہے پراس کو یہاں تک آتے دیر نہیں لگتی۔

علیٰ ہذا القیاس اپنی نگاہ کو دیکھو اور آدموں کی تیز روی اور خیال دگمان کی رسائی کو سوچو چھٹی لطف نبتہ۔ بڑھتی جاتے گی۔ اسی قدر زور اور قدرت زیادہ ہوگی۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ لطیف چیزیں اپنے ترپ و مناسبت کی بدولت خدا تعالیٰ کے فیضانِ کمالات سے وہ حنہ لیتی ہیں جو بعید المنا سبتہ اشیا کو نہیں مل سکتا۔ اور اس کی نظیر ظاہر میں بالکل اس طرح ہے کہ شمع کا نور اس کے آس پاس کی چیزوں کو بہت زیادہ منور کرتا ہے لیکن دور کی چیزیں اس سے اتنی روشن نہیں ہوتیں۔

پس اگر وہ اخلاق حمیدہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات بابرکات میں موجود ہیں قلیل کثیر کسی فرو بشر کے نصیب ہو جائیں تو بے شک۔ بہ نسبت ان افراد کے جن میں یہ اخلاق نہیں اس شخص کو حق تعالیٰ سے بمقدار مطابقت اخلاق کے ترپ مل جائے ہوگا۔ اور جو عنایات خاصہ خدا کریم کی اس کے حال پر مبذول ہوں گی اور وہ کو مستر ہو سکیں گی۔

○ آپ عنقریب بوضاحت و تفصیل یہ معلوم کریں گے کہ جیسے زمین و آسمان میں چار طرب نور آفتاب کا ظہور ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے آپ سرخ و سفید کا امتیاز اور خوبصورت و بد صورت کا فرق قائم کرتے ہیں اور ہر صحن اور ہر روشن

اور نبی آدم کے رہ ہی حقیقت اور کدوچ انسانی رکھتے ہیں۔ مگر تافرق ہے کہ ان کی ادراج بوجہ نہ ہونے آلائشوں اور کدوتوں کے جو بسبب تعلقات پنہانی کی ہوتی ہیں پاک و صاف ہیں وہ لوگ عجب نہیں کہ بہ نسبت اپنے بنی نوع کے زیادہ معزز و ممتاز ہوں اور بعض ایسے فیض ان کو خدا کی طرف سے پہنچتے ہوں کہ ہم کو تم کو ان کی اطلاع بھی نہ ہو۔ یعنی ہم تم بذات خود ان فیوضات سے محروم رہیں۔ گوان ہی پاک، دل لوگوں کے واسطے جن کے قلوب پر اذل و ذیفض وارد ہوتے ہیں صرف استفادہ بہرہ یاب ہو جائیں جس قدر دروہ و بار آئینہ منور سے یا سیاہ و سبز و عنبر و اشیا جو جلنے کے قابل ہوں آتش شیشے سے۔

عرض ہو سکتا ہے کہ جیسے آفتاب کے مقابلہ کے وقت آتش شیشہ یا آئینہ قلعی دار کے باطن میں آفتاب کی طرف سے ایک فیض ایسی طرح آتا ہے کہ بظاہر آتا ہوا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور پھر اس کے حاصل ہو جانے کے بعد وہ دونوں بھی بقدر طاقت اپنی فیض رسانی میں مطلق بخل و دریغ روا نہیں رکھتے بلکہ ہر اس چیز کو جو ان کے سامنے آتی ہے اپنے حلقہ اثر میں داخل کرنے کے واسطے تیار رہتے ہیں۔

○ ایسے ہی کیا عجب ہے کہ بعض نبی آدم کے دلوں پر جن کے دل جسمانی کثافتوں اور نفسانی کدوتوں سے پاک و صاف ہیں ایسی حرارت محبت خداوندی نازل ہوتی ہو کہ اوروں کو اس کی خبر بھی نہ ہو اور وہ خود آتش شیشے کی مانند اس کو پی جائیں اور تحمل کر جائیں لیکن دوسروں کے دلوں میں آگ لگا کہ ادران کی ساری کدوتوں کو سوخت کر کے ایسا پاک و صاف کر دیں جیسا

لو ہے کہ جلا کر صاف و شفاف آئینہ بنالیا جاتا ہے۔ اور پھر اس نور الہی سے جو مثل آئینہ کے خاص ان کے دلوں پر اترتا ہے اور اترتا ہوا معلوم نہیں ہوتا ادران کا ظاہر مثل دروہ و بار کے اور باطن مثل اس آئینہ کے جو خود آفتاب کے مقابل نہ ہو مگر اس آئینہ کے مقابل ہو جو آفتاب کے مقابل ہے بکمال آب و تاب جگمگا اٹھے۔ یعنی ان کا فیض ان لوگوں کو جو ان کی طرف صدق دل سے متوجہ ہوتے ہیں ظاہر باطن میں ایسا مالا مال کر دے کہ کدرت کا نام و نشان باقی نہ رکھے اور عمدہ اعمال اور برگزیدہ اخلاق سے ان کا اندرون و بیرون بخوبی آراستہ ہو جائے۔

ہماری خواہش اس وقت اپنے دوستوں سے اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدائے عزوجل میں (جو کہ مخزن کمالات ہے) اور چند انسانوں میں فقط ایک ایسے ہی خاص طرح کے تعلق کو مستبعد نہ سمجھیں جیسا کہ انہوں نے آتش شیشے وغیرہ کا آفتاب کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے۔

اگر ان کو خالق و مخلوق کے درمیان اس قسم کے پوشیدہ تعلقات کے ممکن التسلیم ہونے میں تاہل نہ رہا اور غالباً نہ رہا ہوگا۔ تو پھر ہم بہت ہی تھوڑے سے غور و فکر کے بعد ان خصوصیات کو طے کر سکیں گے جن سے کسی ایک یا چند معین اشخاص کی صداقت پر جو کبھی اس تعلق کے مدعی رہے ہوں کافی استدلال ہو سکتا ہو۔ لیکن

○ ہم ابھی تک تو اسی درطہ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں کہ مثلاً دو پرکار قدرت ہے آفتاب ٹھیک نصف النہار پر ہے۔ کنکریاں سنگ مرمر پرے۔ ورنہ کی

شاخیں۔ زمیں کے ریت سمند کا پانی اور لوہے کے کالے کالے ٹکڑے غرض دنیا کی سینکڑوں ہزاروں چیزیں اس کے سامنے بڑی ہوتی ہیں۔ سورج کی روشنی میں ہر ایک شے ان میں سے الگ الگ دکھائی دیتی ہے۔ اور ہر ایک میں دھوپ کی کچھ نہ کچھ گرمی بھی محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن ان ہی مختلف الانواع اشیاء کے بیچ میں اور ان ہی کالے سیاہ آہن پاروں کے قریب ایک شخص بیٹھا ہے جس کے ایک ہاتھ میں آتشی شیشہ اور دوسرے میں کوئی سیاہ یا سبز چادر ہے اور جب وہ اپنے شیشے کو سورج کے ردبو کو کے چادر کو اس کے مقابلہ پر لاتا ہے تو اسی وقت چادر میں آگ سلگ کر دھواں اٹھنے لگتا ہے۔ اور جب شیشہ کو سورج کے یا چادر کو شیشے کے سامنے سے سرکا دیتا ہے تو وہ تاثر آتشی باقی نہیں رہتی۔

یہ سارا عجیب انگیزہ ماجرا جب ہم ایک انتہا سے انتہا جاہل اور متعصب آدمی سے کرتے ہیں تو وہ بغیر کسی استعجاب کے اس کو تسلیم کرنے لگتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ بہت افسوس ناک بنیا کی کے ساتھ محال سمجھ کر قہقہہ اڑانے کو جائز رکھتا ہے جب ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ ریگستان میں جہاں پر بہت سے ایسے مختلف المذہب مختلف الطوائف اور مختلف الانوان لوگ جمع تھے جن کے پھر لیے معبودوں کی مانند سخت و سیاہ دلوں پر آفتاب کمالات کی شعاعیں بھی اپنا گہرا اثر نہ ڈالتی تھیں۔ جن کے تہ بہ تہ مادی کثافتوں کے نیچے ان کی لطیف انسانیت نے اپنے کو چھپا رکھا تھا۔ اور جن کی جہالت آمیز حرکتوں اور غافلانہ

بد مستیوں سے دنیا کی اخلاقی مرتع کی اصلی صورت ایسی بگڑ گئی تھی کہ پہچانی نہ جا سکتی تھی۔

وہاں پر ایک ایسا منہ آکیش اور درد منضم انسان ظاہر ہوا جس کے قلب میں فطری طور پر کمالات الہی سے استفادہ کرنے کی پوری استعداد و ولایت کی گئی تھی۔ اور جس نے ہوش سنبھالتے ہی بغیر کسی ظاہری معلم کے تمام گرد و پیش کے خیالات سے علیحدہ ہو کر ایسی رزق اختیار کی جو سیدھے معبود حقیق تک پہنچانے والی تھی۔ اس پاکیزہ سرشت انسان کو اپنے جبلی اخلاق اور برگزیدہ ملکات کی بدولت جو وہ بطن مادر سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس منبع الکملات خالق سے ایک خاص الخاص نزدیکی اور مناسبت قائم ہو گئی اور جو وقت وہ خدا کا پاک طینت بندہ تمام فانی تعلقات کو فراموش کئے ہوئے دل سے طلب صادق کے ساتھ خدائے ذوالجلال کی جناب میں متوجہ ہو کر بیٹھا تو نہ معلوم کس غیر محسوس راستے سے ایک ایسی گرم روشنی آس کے تدب کی تہ میں اتری کہ پھر جو دل بھی سامنے آیا اس کی ساری کردارتوں اور آلائشوں کو جلا کر کندن بنا دیا۔

کیا کوئی عقل دانصات کا حامی ان دونوں واقعوں میں جو ہم نے ذکر کئے مادیت اور روحانیت کے فرق کے سوا اور کوئی فرق ہم کو ایسا بتلا سکتا ہے جس سے ایک واقعہ تو ہماری احمق مخاطب کے نزدیک قابل تسلیم ٹھہرا اور دوسرے کی محال اور ناممکن سمجھ کر ہنسی اڑائی گئی۔

بلاشبہ آتشی شیشے اور آفتاب کی مثال ایک جہمافی مثال ہے جس

کو ہم کسی روحانی مسئلہ کے استدلال میں بقاعدہ منطقی پیش نہیں کر سکتے لیکن آپ اطمینان رکھیں کہ نہ ہم نے اس کو اپنا استدلال بنانا چاہا ہے اور نہ فی الحقیقت ہم کو بنانے کی ضرورت ہے۔

ہم ادراک تحریر میں مبتلا چکے کہ ہماری غرض اصلی اس موقع پر صرف اس قدر ہے کہ آپ خدائے بزرگ کے ادراک کے بندوں کے مابین ایک ایسے مخصوص تعلق کے ممکن ہونے سے انکار نہ فرمائیں جس کے ساتھ حضرت رب العزت کے بعض انادات خاصہ وابستہ ہوں پس اگر آپ اس قسم کے تعلق کو ناممکن اور محال سمجھیں گے تو درحقیقت مدعی آپ ہوں گے اور استدلال و برہان سے کسی بات کا ثبوت بھی یقیناً مدعی ہونے کے آپ ہی کا منصب ہو گا کیونکہ یہ برہانی قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود و عدم کے ہونے نہ ہونے کے متعلق نزاع ہو تو اس میں مدعی وجود کو ماننے والا سمجھا جاتا ہے اور خلاف اس کے اگر گفتگو کسی چیز کے امکان و امتناع دھوسکنے اور نہ ہونے میں ہے تو اب مدعی وہ شخص ہے جو اس کو ناممکن اور متنع سمجھے۔

اس اعتبار سے اگر میں بغیر کسی مزید توضیح کے یہ کہہ دیتا کہ بعض نبی آدم اور خدائے عزوجل میں بعض ایسے تعلقات ممکن ہیں جو اس کے اور بنی نوع میں نہ پائے جاتے ہوں، تو مجھ سے کسی قسم کے مطالبہ دلیل کا استحقاق نہ تھا بلکہ مجھ کو تو تھا کہ میں اپنے ان مخالفوں سے جو ایسے تعلقات کو محال کہتے ہوں حجت طلب کروں۔ لیکن میں نے مناظرہ کے پہلو سے درگزر کر کے محض تقریباً الی الفہم اور سکین خاطر اور دفع اضطراب کے لیے ایک

محسوس و مشاہدہ نظریہ بھی اپنے مدعا کی تہرہ پیش کر دی تاکہ جو لوگ ادیان و معسوسات کے دائرہ سے ایک قدم باہر نکالنے کے خوگر نہیں ہیں وہ بھی ان غیر محسوس تعلقات کی نوعیت سے فی الجملہ واقفیت حاصل کر سکیں۔ یہ ایک اتفاقی اور بہت ہی فائدہ مند بات ہوئی کہ جب ہم خالق و مخلوق کی ان پنہائی تعلقات پر بحث کر رہے تھے اور نظیروں اور مثالوں کے ذریعہ سے ان کو روشن کرتے جاتے تھے تو اس کے ضمن میں ہم کو چہرہ پر ایسے اصول و اسباب کے سراغ لگانے کا بھی موقع مل گیا جن پر یہ تعلقات واقع میں متفرع ہوتے ہیں کیونکہ ہم نے یہ جان لیا کہ ان تعلقات خاصہ کی بنا اس قرب و مناسبت پر ہے جو کسی انسان کو خدا تعالیٰ سے اپنی روحی لطافت میں کامل ہوا خلاق مجیدہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور اس لئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص ان اعلیٰ اوصاف کے متحد موصوف راسخی کا حامی اور کینہ اخلاق و ذمائم سے محترز ہو گا اس کو بعید نہیں کہ بسبب قرب و روحانی کے خدائے عزوجل کی جانب سے اندونی طور پر اس قسم کے افاضات خاصہ ہوتے ہوں جو اس کے دوسرے بنی نوع کو نہ ہوں۔ خدائے اقدس نے اپنے کمال سے اس کو آئینہ بنالیا ہو اور اسی شان مرآتیتہ کی وجہ سے اس کے دل میں خدا تعالیٰ کے نہایت غاص اور دقیق مافی الضمیر بھی منعکس ہو جاتے ہیں۔

اگر فرض کر دوں کہ ہم کو دنیا میں کسی معتبر ذریعہ سے ایسے ایک یا پھر آدمیوں کے وجود کا پتہ لگ گیا جن میں یہ صفات اعلیٰ اور اکمل حیثیت کے اندر پائے جائیں تو یقیناً یہی لوگ ہماری ان بیماریا عقلوں کے درد کا درمان بن سکیں گے

جن کے مرض کا مفصل تذکرہ ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں اور جن کی نسبت ہم نے کہا تھا کہ وہ بتلائے امراض رہنے کی وجہ سے اپنے نیک و بد اود نافع و مضر میں اسی طرح صحیح و غلطی نہیں کر سکتے جس طرح ایک بیمار آدمی بخار کی وجہ سے عمدہ عمدہ کھانوں کو برا سمجھتا ہے جو اس کو طبیب امر غروب ہیں اور ذیل کی لگن یا عارض کی نوچ میں اپنے بدن کے تراشے اور کھال کی نوچنے پر بے اختیار مائل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ حالت صحت میں اس حرکت کو ہرگز عزیز نہیں رکھتا تھا۔

یہ اس خدائے بے نیاز کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں نے جس مقصد کے ثابت کرنے کے واسطے چلنا شروع کیا تھا یہاں پہنچ کر میں نے اس کو پایا اور حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے آغاز سے انجام تک حسب ذیل نتائج برآمد ہوئے۔

(۱) افعال انسانی میں نیک و بد کی تقسیم ہر فرد بشر کو خواہ وہ کوئی غریبی آدمی ہو یا دہری ماننا ضروری ہے۔

(۲) عقل سلیم جس کام کو اچھا یا برا بتلائے وہ ویسا ہی ہوتا ہے اور شر و نیک کے احکام بھی عقل سلیم کے مطابق ہوتے ہیں۔

(۳) عقل اور قوتِ عکبہ میں ایسا رابطہ خاص ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے اور حرکات ناشائستہ اور افعال ذمہ کا کسی شخص سے سرزد ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس کی قوتِ عکبہ (عقل) مریض یا کمزور ہے۔

(۴) عقلِ سلیم (مریض) جس شے کو نافع یا مضر بتلائے اس پر اطمینان

نہیں ہو سکتا اس بارہ میں عقل سلیم درکار ہے۔

(۵) ہر ایک چیز کے جن واقعے کا منتظر خدا تعالیٰ ہی واقف ہو سکتا ہے۔ یا وہ شخص جس کو خدا تعالیٰ محض اپنے فضل و عنایت سے جس حد تک واقف کر دے۔

(۶) خدا تعالیٰ کے فیوض و عنایات خاصہ سے ہر ایک انسان بقدر اپنے قرب و مناسبت کے مستفید ہوتا ہے۔

(۷) جس قدر کوئی عقل لطیف یعنی انسانی الایشوں اور رادی کثافتوں سے پاک و صاف ہو کر اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق کے ساتھ مزین ہوگی اسی قدر اس کو خدا تعالیٰ سے قرب و تعلق حاصل ہوگا اور ایسی ہی عقلوں کو ہم عقولِ سلیمہ کے نام سے یاد کرنے کے مستحق ہوں گے۔

ان صاف و صریح مگر مبہم بالشان نتائج کے سمجھ لینے کے بعد صرف یہ ہی نفع نہیں ہوا کہ ہم اپنے ایک خاص مقصد میں بقدر ضرورت کامیاب ہو گئے بلکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر پر جو کچھ نکتہ چینیاں پہلے کی گئیں تھیں ان میں سے اکثر کا جواب بھی ضمناً اسی بیان سے نکل آیا۔ چنانچہ جن ناظرین کو امام ممدوح کی تقریر اور اس کے متعلق شبہات یاد ہونگے وہ خود ہماری پوری تقریر پر مکرر نظر ڈال کر امید ہے کہ ہر ایک شبہ کا جواب دریافت کر لیں گے

○ البتہ سرسید کے اس اعتراض کا کوئی جواب ہماری مضمون میں ابھی تک نہیں آیا کہ جب عموماً لوگوں کی عقلیں بتلائے امراض رہنے کی وجہ سے صحیح دماغ اور نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتیں اور نہ وہ ہر ایک بھلے برے کے

پہچاننے کے واسطے کافی ہیں تو ہم کو خدا تعالیٰ کی جانب سے احکام شرعیہ کا مکلف بنانا کیونکر صحیح ہوا حالانکہ انسان اپنے ذہن سے ہی کی وجہ سے تمام حیوانات کے برخلاف شریعات کا مخا طلب قرار دیا گیا ہے۔

اس کا جواب مختصر (توسرہ) اتنا ہی ہے کہ شریعت نے جن چیزوں کے سمجھنے یا کرنے کی جس حد تک تکلیف دی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ہمارے احاطہ قدرت سے خارج نہیں ہے اور ہمارے ذی عقل ہونے اور اپنے اپنا جس سے ممتاز بننے کا یہ نفع کافی ہے کہ ہم خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت پر مطلع ہو کر اپنے جملہ اادات اور حرکات و سکنات کی باگ ان دونوں کے ہاتھ میں دیدیں۔ اور اجمالاً یہ جان لیں کہ جن دونوں کی صداقت کا ہم کو یقین ہو چکا ہے وہ بلاشبہ ہمارے کامل خیر خواہ اور کامل حکمت والے ہیں۔ اور ان کی ہر ایک چھوٹی سی چھوٹی تعلیم پر کاربند ہونا ہمارے لئے فلاح و سوز مندی سے خالی نہیں ہے۔

اگرچہ ہم ان کل احکام کی یا ان میں سے بعض کی تفصیلی حکمتوں اور مصالح پر مطلع نہ ہو سکے ہوں۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ایک ماہر ڈاکٹر جب کسی دوا یا غذا کے متعلق مفید یا مضر ہونے کا فتویٰ دیتا ہے تو ہم خواہ اس چیز کے خواص و کیفیات بلکہ نام سے بھی صحیح اور پر آشناء ہوں اور خواہ جس کے استعمال کا وہ حکم دیتا ہے اس سے نفرت اور جس سے وہ منع کرتا ہے اس کی طرف رغبت بھی ہو مگر ڈاکٹر کی تجربہ کاری اور ہی خواہی پر اعتماد کر کے جس کو ہم نے محض ایک کمزور اور ضعیف گمان کے ساتھ تسلیم کر رکھا ہے۔ ہم اس دوا یا غذا

کے استعمال کی نسبت اپنا سابق رویہ بدل ڈالتے ہیں اور اس تبدیلی کے وقت بیچاری عقل کی ایک بھی نہیں سنتے بلکہ برس تاویل کر کے تسلی کر لیتے ہیں کہ عقل کی پیروی بھی درحقیقت عقل کی ہی پیروی ہے تو اس حیثیت سے گویا ہم نے عقل کے اشارہ کے بغیر کوئی جنبش نہیں کی۔

یہ ہی حال بعینہ مذہب۔ و شریعت کا ہے۔ لیکن ہم کو تعجب کے ساتھ افسوس ہوتا ہے کہ سرسید نے ایک نرالی منطق سے اور عجیب گول مول الفاظ میں لوگوں کے دلوں سے ہمارے اس صحیح خیال کو مٹا دیا کم از کم سست کر دینا چاہا ہے جس جگہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ:-

”ہمارا یہ اصول نہایت چننا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب عقل کے جو اس میں ہے مکلف ہوا ہے پس جس بات پر وہ مکلف ہوگا ضرور ہے کہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو ورنہ معلول کا وجود بغیر علت کے لازم آتا ہے جو محال و متنع ہے پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں“

(تہذیب الاخلاق جلد دوم مطبوعہ لاہور۔ مضمون: کائنات و انسان)

میرا یہ سوال سرسید سے یہ کہ جس عقل کو وہ تکلیف شرعی کے واسطے علت قرار دیتے ہیں اس سے کیا مراد ہے۔ آیا فقط قوۃ اوراک کا انسان میں موجود ہونا یا اس سے ہر چیز کو تفصیلاً جانتا۔ اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو بعض احکام راخلاق کے فوائد عقل پر مطلع نہ ہونے سے علت و معلول

میں جہائی کس طرح لازم آئی اور اگر خدا نخواستہ سرسید نے دوسری شق کو لیا ہے تو میں تسلیم نہیں کرتا کہ جو علت تکلیف کی سرسید نے قرار دی ہے وہ صحیح ہے اور آپ حیرت کریں گے جب یہ سنیں گے کہ میں اس شق کو تسلیم نہیں کرتا خود سرسید بھی اس کے اعتراض کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ اسی مضمون کے دوسرے حصہ میں وہ لکھتے ہیں:-

اس بیان سے جو نثار براہِ کل سیدھا اور صاف ہے اور کچھ اور بیچ اس میں کچھ نہیں ہے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ کائنات میں فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے اور نہ کسی مذہب کا اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے اور نہ وہ فی حد ذاتہ رہنما ہونے کے مستحق ہے۔ ہاں بلاشبہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تہذیبیت پاجائے یا سچے خیالات سے اس کی طبیعت موثر ہو جاوے اور طبیعت سچائی کے مطابق ہوتی حالت پیدا کر لے تب وہ حالت طبیعت یعنی کائنات میں انسان کا رہنما ہوتا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-
(ایسا تہذیبی و اخلاقی مسئلہ)

ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کر دیں جو کبھی دوسرے دریاہ نہ کر سکتے ہیں مگر کب جب کہ انسان کی معارف کو ایک کافی ترقی اور قوانین قدرت پر ارادہ مختلف توئی کے اور پر جو اس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں ایک معتد بہ آگاہی

حاصل ہو تمام انسان ان رتوات پر نہیں پہنچ سکتے اور جو پہنچ سکتے ہیں وہ معدودے چند کے سوا نہیں ہو سکتے اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں و پشتوں اور صدیوں و صدیوں میں پس اس لئے تاکہ اس قاعدہ مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ دنیا فوقاً ملک اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ایسے ہادی پیدا کئے جائیں جنہیں خلقی ایسا مادہ دیا گیا ہو اور جو اعتبار اپنی فطرت کے ان سچے اخلاق کے بیان کا وزن ہو۔
(ایسا ص ۱۲۲)

ان درازا عباراتوں سے بھی ارادہ کے اور بعض تصریحات سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ جہاں احکام شریعہ کے لم اور علت کو سمجھ لینا گو مطلق عقل انسانی سے خارج نہیں ہے۔ لیکن ہر عقل شخصی کا یہ منصب بھی نہیں کہ ہر ایک حکم کی حقیقت اور کنہ کے سمجھ لینے کا وہ دعویٰ کر بیٹھے۔ تو سرسید کے اصول کے موافق سوال یہ ہے کہ سوائے ان معدودے چند انسانوں کے جو ذاتی تہذیبیت سے خبردار ہوں جیسا کہ سرسید بزعم خود تھے، اور لوگوں کو جو ایسے نہیں ہیں مکلف بنانا کیوں کر صحیح ہوا حالانکہ جن باتوں کے کرنے یا چھوڑنے پر ان کو براہِ گنہہ کیا جاتا ہے وہ ان کی عقل شخصی سے یقیناً خارج ہیں۔

پس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ہم نہ ارادہ ہواڑ ہوس اور نہ عقل اور لاک ان اور باب عقول سلیمہ کو جن کے کچھ کچھ اوصاف ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اطباء دمانی سمجھ کر اپنے لئے کم از کم اسی طرح موت دائمی اور بلا کنت ابدی سے نجات دلانے والا تصور کر لیں جیسا کہ ایک جاہل بیمار جو بغرض تداوی

کسی طبیبِ ساذق کے آستانہ پر حاضر ہو کر اس کی نسبت خیال رکھتا ہے اور جس طرح ایک ذیہاتی مریض اپنے معالج ڈاکٹر کے کہنے سے فقط اس اعتماد پر کہ وہ اس کے خواص اور منافع و مضار سے کما حقہ آگاہ ہوگا۔ کونین کے دیکر کسی نامعلوم الاسم دوا کے، کھانے کے لیے بلا پس و پیش آمادہ ہو جاتا ہے (حالانکہ ذاتی طور پر وہ اس سے کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتا، ٹھیک اسی طرح اربابِ عقول سقیمہ کو لازم ہے کہ وہ اربابِ عقولِ سلیمہ کے احکام کے سامنے بالکل گردن ڈالیں اور ان نسخہ جات کے استعمال کرنے اور پرہیز کے قائم رکھنے میں جن کا اربابِ عقولِ سلیمہ نے امر فرمایا ہو ایک لمحہ کے لئے بھی توقف نہ کرے اور تنگدلی کو دخل نہ دیں بشرطیکہ طبیب کے طبیب اور ان نسخہ جات کے بامر طبیب ہونے میں ان کو کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا ہو۔

فلو در تاجہ لا یومنون حتی یحکوک
فیما شجرہ بنہم شرا یجحدوا
فی انفسہم حرجا مما قننیت و
یستلوا تسلدا۔
میں قسم ہے میرے پروردگار کا کہ یہ لوگ ایمان سے ہرگز بہرہ
نہیں حاصل کر سکتے تاوقتیکہ تم کو اسے پیغمبر اپنے باہمی
منازعات میں مکمل نہ ٹھہراؤ۔ اور تمہارے فیصلہ کے سامنے ہر
کسی قسم کی دل تنگی کے گردن تسلیم نہ خم کر دیں۔

○ ممکن ہے کہ یہ سوال اٹھایا جاوے کہ جب اربابِ عقولِ سقیمہ کو محض اپنے عقولوں اعتماد کرنا اور ان کی ہدایات اور احکام پر چلنا ہی رہا نہیں رہا اور نہ کسی شرعی معاملہ میں ان کے اقتضائات عقیدہ کی توثیق و تصویب ضرورہ قرار دے گئے تو آخر اس کے باور کر لینے کی ہی ہمارے پاس کیا ضمانت ہے کہ عقلِ سلیم و سقیم کے امتیاز اور طبیب و مریض کی تشخیص اور معالج و مستعلاج

کی جستجو میں وہ ہی مریض عقلمند و استقامت کے ساتھ ضرور کامیاب ہو جائیں گی اور اس کا احتمال باقی نہ رہے گا کہ جس شخص کو انہوں نے تندرست شمار کیا ہے وہ فی الحقیقت بیمار ہو اور جس کو اپنا نجات دہندہ طبیب سمجھے ہیں وہ ایک نا اہل اور خطرہ جان ہلا کو ہو۔

لیکن ایسا سوال پیش کرنے والوں کو تھوڑی دیر کے واسطے اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر کسی اجنبی بستی میں کوئی اجنبی طبیب آجائے اور وہاں کے لوگوں سے اپنے فن کی حیثیت میں تعارف پیدا کرنا چاہے صلاحیت وہ لوگ نہ تو نظریات طب سے خبردار ہیں اور نہ انواع مرض سے واقفیت رکھتے ہیں اور نہ ان کے لئے طرق علاج کی صحت و غلطی کا دریافت کرنا آسان کام ہے تو ایسی صورتیں اس طبیب کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہیں؟

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سب سے پہلے تو وہ مجامع و مجالس میں موقعِ بوق اپنے طب دانی کا تذکرہ کرے گا۔ اپنے مطب پر ایک بڑا سا بامین بورڈ لگائے گا۔ اور وقتاً فوقتاً اپنے اسانید کو جو کسی مقبرہ رسد سے اس کو دستیاب ہوئے ہونگے خواص کے روبرو پیش کرتا رہے گا اور اس کے بعد کچھ لوگ تو عام چہرے اور محض شہرت پر ایمان لاکر اور کچھ محض امتیاز اور باج کرنے کی نیت سے اور کچھ طبیعوں کے احوال و اطوار سے قدرے واقفیت رکھنے کی وجہ سے اس کے پاس بعض معالجہ آنے لگیں گے اور بہت سے مریضوں کے پاس اپنا اعتبار بڑھانے اور مطب کو چمکانے

کے لیے وہ بذات خود بغیر کسی قسم کی فیس اور مالی معاوضہ کے و دروازے کے تعلقاً جتلا کر چلا جائے گا۔

اب اس ساری جدوجہد اور دوادوش میں اگر کچھ بیماریوں کی شفا اس کے ہاتھ سے مقدر ہے تو وہ اس کی اولین کامیابی کا باعث ہوگی۔ اور جوں جوں کہ یہ سلسلہ ترقی کرتا جائے گا اسی قدر اس کی عزت اور مقبولیت کو چار چاند لگتے جائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ کچھ زمانہ کے بعد شہرت عامہ کے اس درجہ پر پہنچ جائے گا کہ مریضوں کو اس کے یہاں پہنچنے کے لئے استدلال اور غور و فکر کی ضرورت باقی نہ رہے گی اور عوام کے محاورات میں شفاء و صحت تو اس کے معالجہ نہ کو ششوں کی طرف اور موت و ہلاکت خالی بخت و اتفاق یا مشیت ایزدی کی طرف منسوب ہونے لگے گی۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دوسرے سے طبیعوں کی مقبولیت کا معیار ہی اب اس کی تسلیم و تصدیق قرار پائیں گے۔ بعینہ اسی پر اطباء و صافی (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے حالات کو قیاس کر و جب وہ عالم کی ہدایت و اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے ہیں تو سب سے اول وہ اپنے من اللہ بنیو و نذیر ہونے کا نہایت زور شور اور تحدی کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنی دعوت و تبلیغ کا غافلہ اہل و عیال اور خویش و اقارب سے شروع کر کے مشارق و مغارب میں ڈال دیتے ہیں۔ جس کو سن کر کچھ لوگ تو ان کے سابق چالیس سالہ زہد و ریاضت پاک و صاف اخلاق۔ دیانت و استبازی اعراض عن المال و الجاہ شرافت حسب و نسب اور روشن خوارق یا آیات بینات وغیرہ امور کی وجہ سے اور

بہت سے معض ازراہ امتحان و تفتیش ہی نظر ان کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے وہ خوش قسمت ہیں کہ خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قوت قلبیہ اور ہمت باطنی کے زور سے باذن اللہ ان کو اپنی طرف جذب کر لیتے ہیں اور اسی اثنا میں جب یہ لوگ روحانی امراض سے یکایک شفا یاب ہوتے لگتے ہیں اور ان کے دلوں کی تاریکی دور ہو کر جمال خداوندی کا عکس ان میں پڑنے لگتا ہے تو وہ اپنے ہادی کی نسبت فوراً چلا اٹھتے ہیں کہ:-

مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ

اس وقت ان مریضوں کو بھلا جتگا دیکھ کر اور ان کے حالات سابقہ میں ایسا انقلاب عظیم پاکر اور دل کے دل بھی نہ مانے لگتے ہیں اور ان کو ان کی صحت کی بحالی پر رشک آنے لگتا ہے پھر تو مخلوق خدا فوج و رفوج اور جوق و جوق ہو کر اس پاک بندے کے گرد جمع ہو جاتی ہے اور اپنے اپنے امراض کا مرفعا اس کی طرف کرتی ہے۔ اور جیسے جیسے کہ یہ سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے اندھوں کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں اور غافلوں کو عبرت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آتا رہتا ہے اس کے بعد اس کے طبیب حاذق (یا نبی مرسل) سمجھنے کے واسطے کہ کسی استدلال کی ضرورت رہتی ہے اور نہ اس میں بہت زیادہ تدقیق اور غور و غوض کو کام فرمانے کی۔

○ الغرض جس وقت طبیب حاذق (نبی) کی شناخت کے لئے انسان کو اپنے دماغ پر کچھ زور ڈالنے کی ضرورت تھی اس وقت تو چند قدرتی اسباب کی بنا پر یہ شناخت بغیر زور و داسے ہی حاصل ہوگی اور جب کہ اس کے حذاقت

کے نتائج متشکل ہو کر گویا آنکھوں کے سامنے نمودار ہو گئے ہیں تو اس بحث میں کم و کوش کی مطلقاً حاجت ہی باقی نہیں رہی ہر شخص ان محسوس مشاہد نتائج کو دیکھ کر اسی طرح اس کے طبیب حاذق (نبی) ہونے کا یقین کر سکتا ہے جیسا کہ کسی گھر کے صحن میں دھوپ نکلی ہوئی دیکھ کر آسمان پر آفتاب کے نکلنے کا۔

اور اس بدیہی بلکہ اجلی البدیہیات کے سمجھنے کے واسطے انسان میں ذرا سی عقل بھی خواہ وہ کتنی ہی علیل کیوں نہ ہو کفایت کرتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس سے کام لینے کی کوشش کرے اور حق کے دیکھنے سے جو اس کو چھینا چاہتا ہے بالکل آنکھیں بند نہ کرے۔ اور جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں ان باب عقول سقیمہ سے یہ مطلب ہمارا ہرگز نہیں ہے کہ ان میں کسی کوئی اور روشن سہی روشن بات کے سمجھنے کی بھی قابلیت باقی نہ رہی ہو اور محسوسات کی دراک کی استعداد بھی ان سے سلب کر لی گئی ہو۔

تم خود خیال کر دو کہ کسی تجربہ کار طبیب کے ہاتھ پر تپ کہنے کے پانچ چار مریض درج زندگانی سے مایوس ہو چکے ہوں، شنایاب ہو جائیں تو گھر گھر میں اس کا چہر چا پھیل جاتا ہے اور دور دراز شہروں کے مایوس العلاج بیمار اس کی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں اب اگر فرض کر دو کہ ایک طبیب کے دستِ شفا سے کوئی بستی کی بستی یا ملک کا ملک تپ کہنہ سے صحت یاب ہو جائے تو اس کی طرف لوگوں کی توہیر کیا کسی منطقی استدلال کے محتاج رہے گی۔

○ مثلاً سرخیل اطباء روحانی جناب رسالتا صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ ہم نے

اپنے رسالہ الاسلام میں نہایت مفصل بیان کیا ہے اور یہاں پر مصلحتاً ہم اپنے زمانہ کے ایک اصطلاحی، روشن خیال مؤلف کے الفاظ میں لکھتے ہیں، ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ دنیا ایک عجیب روحانی سکتے کی حالت میں تھی۔ اور آپ ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کچھ سامان نہ تھا اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کی گئی جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بد اخلاقی اور نفاق اور جنگ، جوئی کے کسی قسم کی اخلاقی خوبی نہ رکھتے تھے مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ اس سے ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں برسوں کے پہلے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور مدتوں کے سوتے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پڑے تو مشرک تھے وہ موحّد ہو گئے جو کافر تھے ایمان لائے جو بت پرست تھے وہ بہت شکن بن گئے جو گمراہ تھے وہ خدائی راہ دکھانے لگے۔ باطلانہ حمیت اور وحشیانہ عصبیت کا ان میں نام نہ رہا۔ خاندانی جھگڑے اور بھتیجی عداوتیں جاتی رہیں دماغ غرور و نخوت سے خالی ہو گئے اور ان کے دل صبر و توکل، حلم و بردباری، زہد و پرہیزگاری اور جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے۔ آپ کی تعلیم و ہدایت نے ایک ایسا گردہ خدا پرست پاک طبیعت راست باز نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا۔ جن کی کوششوں سے مشرک و بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ منائے عرب میں گونج رہی تھی بند ہو گئی اور اس کے بدلے ایک بیچون و بیچگون بے شہد دیے نمون خدا کی منادی پھر گئی۔ بتوں نے عدم کا راستہ لیا۔ بت خانوں کا نشان مٹ گیا آشکد سے

ٹھنڈے پڑ گئے تشکیث کا طلسم ٹوٹ گیا ادھام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا
جاء الحق و ذہق الباطل حق ظاہر گیا اور باطل مغرب بلاشبہ باطل مغرب
ان الباطل کان نہ ہوتا ہی ہو کر رہتا ہے۔

کیا اس سے اس امر کا مشاہدہ اور درخشاں ثبوت نہیں ملتا کہ آپ حقیقت
میں سچے رسول (طیب حافق) اور خدا ہی کی طرف سے مژید تھے در نہ انسان کا
کام نہ تھا کہ وہ ایسا انقلاب عظیم عرب کی روحانی اور اخلاقی حالت میں پیدا کر دیتا
اور ایسے جنگ جو ختم پیشہ لوگوں کو جو بات بات پر لڑتے اور جھگڑتے تھے۔ انوۃ
کے ایک رشتہ میں باندھ دیتا اور ان کی پشتینی عداوتوں اور کینوں سے ان کے
دلوں کو ایسا صاف کر دیتا کہ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہتا بلکہ دنیا میں اخلاق اور
انسانیت کا نمونہ بنادیتا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی ایسی عجیب و غریب تاثر اور
ایسی حیرت انگیز نتایج کو دیکھ کر منکرین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ وہ حقیقت
یہ بات بشری قدرت سے خارج تھی چنانچہ کوئی ان میں سے کہتا ہے کہ ”وہ پیام
جو آپ لائے وہ ایک سچا اور حقیقی پیام تھا جس کا مخرج وہی ہستی تھی جس کی
تھا کبھی کسی نے نہیں پائی“ کوئی لکھتا ہے ”قرآن ہی کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ عرب
کے رہنے والے ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو“ متعصب سے متعصب
عیسائیوں میں سے سخت سے سخت یہ اقرار کرتا ہے کہ ”وین مسیحی
کی ابتداء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک کبھی حیات روحانی
ایسی براہ کرم نہیں ہوتی تھی جیسی کہ اسلام کی تعلیم سے ہوئی“

کچھ کیا ایسی وانگاہ ثبوتوں اور کھلی کھلی دلیلیوں کے بعد بھی کوئی محروم
البصیرۃ البیان لکے گا جو باوجودیکہ اپنے کو مریض سمجھتا ہو اور کسی نباض اور ماہر
طیب کی طرف رجوع کرنے کا خواہش مند بھی ہو۔ لیکن طیب عرب نہیں
بلکہ طیب عرب و عجم کے ان چمکتے ہوئے کارناموں سے منہ پھیرے۔ اور
اس کی تجویز اور تشخیص کے سامنے (جو لاریب خدا ہی کی تجویز و تشخیص ہے)
بے چون و چرا اور بے ریب و تمود و گردن نہ ڈالے اور کم از کم تجربہ ہی کے
طور پر اس کے بتلائے ہوئے تدابیر و معالجات و پرہیز پر چند رد و عمل کر کے نہ
دیکھے۔

○ ایسے ہی کور باطنوں کی نسبت (جو ابھی تک اس طرح کی بد ہی صداقت
کے تسلیم کے واسطے نہایت پیچیدہ اور دراز کار مسائل و لائل کی تلاش میں
فضول سرگرداں رہ کر عمر عزیز ضائع کر رہے ہیں اور دن سے زیادہ روشن
واقعات کی طرف آنکھ نہیں اٹھاتے، عارف باللہ حضرت شیخ محمد الدین بن العربی
قدس اللہ سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

”ہمارے نزدیک سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ انسان (دہرات
میں) خدا کو چھوڑ کر محض اپنی نظر و فکر کی ہی تقلید کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس
کی یہ فکر بھی خود اس ذات کی طرح ایک امر حادث اور مخلوق ہے اور ان قوی
میں سے ایک قوت ہے خدائے تعالیٰ نے انسان کے اندر ولایت کی ہیں۔
اُسے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوت مفکرہ کو عقل انسانی کے واسطے ایک ظوم
بنایا ہے (لیکن اس پر بھی) عقل خود اس کی (خادم بن کر) پیچھے بولیتی ہے۔

باوجودیکہ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ قوت مفکرہ جو کچھ اس کو عطا کرتی ہے وہ اس میں اپنے حدود و مرتبہ سے ذرا بھی تجاوز نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہے کہ کسی دوسری قوت کی سرحد میں قدم رکھ سکتے مثلاً قوت حافظہ یا مصورہ کا کام اس سے نکل سکے یا قوت محتجہ کے قائم مقام بن سکے یا حواس خمسہ دلس طعم - شم - بصر میں سے وہ کسی ایک کے فرائض کو انجام دے سکے۔
○ یہ سب کچھ ہے اور قوت مفکرہ کی حدود و اختیارات کی یہ تنگی بھی سب کو معلوم ہے۔ مگر اس پر بھی یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ عقل انسانی اپنے پروردگار کی معرفت کے بارہ میں اسی فکر ناقص کی تقلید پر اڑی ہوئی ہے اور اس کا پروردگار خود جو کچھ اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبانی اپنی نسبت بیان فرماتا ہے اس کی تقلید سے برابر کتراتا ہے۔

عالم میں جو غلطیاں مختلف طرح کی پھیلی ہوئی ہیں عقل کی یہ غلطی ان سب میں عجیب تر ہے اور تماشہ ہے کہ سوائے ان معدود لوگوں کے جن کی بصیرت کی آنکھیں خدا تعالیٰ نے روشن کر دی ہیں ہر صاحب فکر اسی عام غلط کاری میں مبتلا ہے۔ ہاں اب باب بصیرت خوب جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک خاص فطرت بنائی اور اسی خاص فطرت کے اعتبار سے اس شے کی عمل و حرکت کی حد بندی کر دی ہے، مثلاً قوت سامعہ (یا کانوں) کی فطرت سموعات (آوازوں) کے اور اک سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اور عقل انسانی فقط اسی حلقہ میں اس کی محتاج اور آرازدوں کی شناخت حروف کے قطع و برید۔ الفاظ کے تغیرات اور لغات کی تقسیم میں اس سے امداد کی طالب ہے۔ چنانچہ عقل

انسانی قوت سامعہ ہی کے ذریعہ سے پرندوں کے چہچہے۔ ہواؤں کی سائیں سائیں کو اٹھوں کی چوں چوں۔ پانی کی خرخر۔ انسان کی پیخ و پکار اور دوسرے جانوروں کی بولیوں میں تفریق کرتی ہے ورنہ عقل انسانی میں بجائے خود یہ قدرت کہاں کہ بغیر توسط سمع کے ان چیزوں کے باہمی امتیازات کو قائم رکھ سکے۔ اسی طرح قوت باصرہ (آنکھوں) کو خیال کرو کہ اس کا دائرہ عمل محض مبصرات دکھائی دینے کے قابل چیزوں تک محدود ہے یعنی عقل کو اس کی امداد کے بغیر سبزی کو زردی سے اور زردی کو سفیدی سے اور سفیدی کو سیاہی سے اور اسی طرح ہر ایک رنگ کو دوسرے رنگ سے جدا کرنا عادتاً ممکن نہیں ہے۔ ادیسی حال ان دونوں کے ماسوا دوسری ان تمام قوتوں کا ہے جو حواس کے نام سے مشہور ہیں۔ اور نیز قوت خیالیہ کا جس کو اپنی کارگزاری میں حواس خمسہ کی احتیاج ہے۔ کیوں کہ تخیل فقط ان چیزوں کے ساتھ ہی متعلق ہو سکتا ہے جو حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں علیٰ ہذا القیاس قوت حافظہ اگر خیال کی حاصل کی ہوئی اشیا کو روکے نہ رکھے تو خیال کے خزانہ میں کچھ بھی باقی نہ رہے اس حیثیت سے جیسا کہ وہ حواس خمسہ کا محتاج ہے۔ ایسے ہی قوت حافظہ سے بھی بے نیاز نہیں۔ پھر قوت حافظہ کو بہت سے ایسے مواقع پیش آتے جو اس کے اور خیال کے درمیان سائل ہو کہ قوت حافظہ کی صنعت اور اس سے امور کثیرہ کے قوت ہونے کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لیے ایک قوت مذکورہ کی حاجت ہوتی۔ قوت حافظہ کی مدد کار بن کر اس کو وہ باتیں یاد دلا دیا کرے جن سے ذہول ہو گیا ہو۔

ان سب کے بعد قوت مفکرہ خیال کی طرف متوجہ ہوتی ہے تاکہ قوت مصورہ کے توسط سے خیال کے ماحصل کردہ امور کو اس طور پر ترکیب دے کہ اس سے کسی دعویٰ کے متعلق ایسی دلیل پیدا ہو جاوے جس کی انتہا ان محسوسات اور دیہات پر ہوتی ہو جو آدمی کی جبلت میں مرکوز ہیں اس طرح سے جب فکر دلیل کو ایک اچھی طرح صورت پر قائم کر دیتا ہے تو اب عقل انسانی اس بنی بنائی چیز کو لے کر دعویٰ پر منطبق کر دیتی ہے۔

لیکن وہاں سے یہاں تک پہنچنے میں حقیقی قوتوں کو کچھ بھی دخل رہا ان میں سے کوئی ایسی نہیں جس کے کام میں بہت سے موانع اور بہت قسم کی غلطیوں کا مساع نہ ہو اور جس کیلئے کسی ایسے معیار کی ضرورت نہ پڑے جو صحیح کو فاسد سے اور مغز کو پوست سے جدا کر سکے۔

پس تم خود کہہ عقل فی ذاتہ کس قدر جاہل کیسی بے بس اور دوسری قوتوں کی کتنی عاجز ہے اور ان قوتوں میں سے ہر ایک کو جو اغلاط پیش آتے ہیں اور جہاں تک کہ اس کے دائرہ عمل کی تحدید کی گئی وہ بھی سب پر روشن ہو چکی لیکن اس پر بھی جب اس کو کوئی بات اس خمدوش اور پرخطر طریق سے بہت سی ٹھوکریں کھا کر حاصل ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسری جانب خود خداوند رب العزت کوئی خریدیتا ہے تو یہ کہہ کر وہ خدا کی بتلائی ہوئی بات کو نالذبتی ہے کہ میرا غور و فکر اس کو رد کر چکا ہے۔

اللہ اکبر یہ عقل خدا تعالیٰ کے مرتبہ سے کس قدر جاہل ہے کہ اس نے اپنے فکر ناقص کی تقلید میں خدا تعالیٰ پر جرح کرنے کو اسان سمجھا۔ حالانکہ تم پہلے

سمجھ چکے ہو کہ عقل کے پاس بجائے خود کسی طرح کا اور کسی شے کا بھی علم موجود نہیں اس کا کام محض حواس خمسہ۔ قوت خیالیہ۔ قوت مصورہ اور علیٰ ہذا القیاس دوسری قوتوں کی عطا کئے ہوئے علوم کو قبول کرنا ہے تو ایسی حالت میں اس کے لیے نہایت ہی مناسب تھا کہ وہ بجائے قوت فکر یہ وغیرہ اپنے خدام کے سامنے دست سوال دراز کرنے اور ان کے عطا یا قبول کرنے کے اپنے آقا رب العزت کے رد و رد و ہوا تھ پھیلاتے اور اسی کی بخششوں کو لے کر سر اور آنکھوں پر رکھتے۔

اور جب کہ اسے معلوم ہے کہ اس کا فکر خیال کا مقلد ہے اور خیال حواس خمسہ کا اور اس کے ساتھ ہی اس کو اپنی امداد کے لیے قوت حافظہ اور مذکورہ کی بھی حاجت ہے اور یہ بھی علم ہے کہ یہ تمام قوی اپنی اپنی سرحد فطرۃ اور دائرہ عمل سے باہر ایک قدم نہیں رکھ سکتے (مثلاً خوبصورت بد صورت کے اور اک میں کانوں سے کام نہیں چل سکتا اور آوازوں کے برے بھلے کو آنکھیں نہیں سمجھ سکتیں خوشبو اور بدبو کا امتیاز زبان کے حدود عمل سے خارج ہے اور تلخ و شیرین کی تفریق سے ناک کو کوئی سروکار نہیں اور علیٰ ہذا القیاس خود عقل کو اپنی ذات کے اعتبار سے ان چند ضروریات کی سوا جن کا علم فطرۃ ہوتا ہے اور کوئی چیز معلوم نہیں، تو بھلا تمام قوتوں کے اس طرح کی تنگ میدانانی اور بیچارگی کے باوجود بھی کیا وجہ ہے کہ ہماری عقل اس شخص کے قول کو قبول نہیں کرتی جو انسان میں قوت مفکرہ کے سوا ایک اور ایسی قوت کا قائل ہے جس کے احکام قوت مفکرہ کے احکام سے بالاتر ہوں اور

جس کو ان طریقوں کے استعمال کرنے سے جو اس فن کے تجربہ کاروں نے لکھے ہیں بوجہ بہت الہی اہل اللہ (ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کاملین) اپنے اندر پاتے ہیں اور کل کتب سماویہ جس کے وجود کی خبر دینے میں باوجود ہل ناطق ہیں۔
 ○ اس لئے تم کو چاہیئے کہ اخبار الہیہ کے ماننے میں اپنے عقول ناقصہ ستیمہ کی کچھ پرواہ نہ کرو اور مخلوق کے مقابلہ میں خالق کی تقلید کو بہتر سمجھو کیونکہ کثیر التعداد انبیاء و اولیاء نے انہیں چیزوں کو قبول کیا اور انہیں پر وہ ایمان لائے۔ اور انہیں کی تصدیق کی۔ اور ہمیشہ وہ اسی کو پسند کرتے رہے کہ اپنے رب کی معرفت میں خود اسی کی تقلید کرنا اپنا ادھام و افکار کی تقلید سے ادلی و نفع ہے۔ پھر اور عقلمند بن کر اخبار الہیہ سے انکار کرنے والے تجربہ کو کیا ہوا کہ کہ خدا کے بارے میں تو خود خدا کی اور اس کے برگزیدہ بندوں کی نہیں سنتا اور اپنے خیالات کے پیچھے پڑا پریشان ہو رہا ہے ؟

دیکھو جب یا ایہا الذین آمنوا جنوداً کے سننے والوں کو یہ معلوم ہوا کہ علاوہ اس ایمان کے جو دلائل و افکار سے ہم کو حاصل ہو چکا کوئی دوسرا ایمان بھی مطلوب ہے تو انہوں نے معاریضت خلوت اور مجاہدہ کا طریق اختیار کیا اور خدا کو فراموش کرنا نوا لے تعلقات کو یک لخت منقطع کر کے دنیا میں رہ کر ہی وہ دنیا سے الگ ہو بیٹھے۔ اور دل کو سب جھگڑوں سے خالی اور قلب کو شوائب افکار سے پاک کر کے خالص خدا کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیونکہ انبیاء و مرسلین سے یہی راستہ ان کو معلوم ہوا تھا اور انہوں نے سن رکھا تھا کہ بندہ جب سارے دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس پر اپنی

مہربانی اور رحمت کا سایہ ڈالتا ہے اور اپنے دامن عطوفت میں لے لیتا ہے اس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی طرف جانے والوں کے لئے فکر کے راستے سے یہ راستہ زیادہ نزدیک ہے کیونکہ خود خداوند رب العزت نے اپنے رسول کی زبان سے یہ منادی کرادی کہ جو کوئی ہماری طرف لپک کر آتا ہے ہم اس کی طرف دد کر جاتے ہیں۔ اور یہ کہ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ بلکہ فقط قلب مومن میں یہ وسعت ہے کہ وہ ہماری عظمت و جلال کا تحمل کر سکے۔

اس بناء پر یہ لوگ اپنے سارے دل سے خدا کی بارگاہ میں متوجہ ہوئے اور تمام قوی و افکار کے و ہندوں کو چھوڑ دیا۔ اسوقت خدا تعالیٰ نے اپنے نور و علم صادق کی ایک روشنی ان کے دلوں پر ڈال دی۔ اور ان کو خالص اپنا ہی والا شیدہ بنالیا۔ پھر کیا تھا۔ نظر و فکر کی وہ ساری کمزوریاں کا فون ہو گئیں اور خالق اکبر کے ارشادات و قوانین کے سامنے انہوں نے اپنی عقلوں کے تیار کئے ہوئے قانون کو بھلا دیا۔ آہ

○ تم خود سوچو اور انصاف کر دو کہ اگر ہر کس و ناکس اپنی عقل شخصی کے بنائے ہوئے قانون پر چلنے کا مجاز کر دیا جائے جیسا کہ آنا دنیائی کے مدعی آج کل چاہتے ہیں تو دنیا میں کیا کچھ خربطہ ہو اور ہزاروں لاکھوں تراشیدہ قوانین کی کشمکش میں جو ہر گز وہ اپنے پیمانہ فکر اور اندازہ فہم کے موافق تیار کر سکتا ہے لوگوں کی زندگی کیا کچھ دشوار ہو جائے۔

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب عقل و نقل میں مزاحمت واقع ہوا کرے اس وقت ہم کو یہ اختیار ملنا چاہیئے کہ ہم عقل کے احکام کو نقل صحیح

کی تسلیم سے مقدم سمجھیں کیونکہ نقل کے ماننے کا اصل ذریعہ یہی عقل ہی ہے تو خدا خواستہ عقل کو بے اعتبار ٹھہرانے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم عقل و نقل دونوں کی طرف سے بدگمان ہو گئے ہیں۔

لیکن اس شبہ کا جواب آپ کو ہماری تقریر سابق سے بوجہ احسن معلوم ہو چکا ہے کیونکہ ہم مدلل طور پر بتلا چکے ہیں کہ عقل تسلیم و نقل صحیح میں تعارض نہ ہو ہی نہیں سکتا ہاں اگر عقل کی سلامتی یا نقل کی صحیحہ مخدوش ہو جائے تو بیشک ایسا ہونا ممکن ہے مگر اس وقت ہمارا پہلا فرض یہ ہو گا کہ یا تو اپنی عقل کو مرض سے چھاننے اور سلامتی پر لانے کی کوشش کریں اور یا نقل کے ثبوت کے واسطے کوئی قابل وثوق ذریعہ ہم پہنچائیں۔ ورنہ خطر القساد۔

اس جواب کی پوری تفصیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنی بیش بہا اور ضخیم کتاب فی بیان مواختہ صریح المعتول المعین المنقول میں لکھی ہے جس کے جیتے جیتے اقتباسات بھی ہم باوجود قصہ کے تطویل کے خیال سے قلم انداز کر کے آخر میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ:-

جو کچھ ہم نے اس مضمون میں یہاں تک بیان کیا ہے اس کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ فکر استدلال ایک محض عیب اور لغو چیز ہے یا اس سے تعرض کرنا کوئی شرعی گناہ ہے لیکن ہاں کسی فرد بشر کے واسطے ہم یہ جائز نہیں رکھتے کہ وہ اپنی عقل شخصی اور فکر ناقص کو اصل اصول ٹھہرا کر انبیاء علیہم السلام کے پاک و یکتا اہل مصر نے نہاج السنۃ کے حاشیہ پر طبع کی ہے۔

صاف صحیح و صادق اور بلند و پرتر تعلیمات کو زبردستی ان پر منطبق کرنے کی کوشش کرے جس پر اکثر اوقات اس کا ضمیر بھی خود اندر سے فخر بن کر رہا ہو۔ اس کے برخلاف نہایت ضروری ہے کہ انسان خدا اور اس کے رسولوں کے ارشادات کو اصل قرار دے کر اپنی عقلی معلومات کو ان کے تابع بنائے اور جو کچھ وہ فرمائیں اس کو اپنے امراض روحانی کے حق میں اکسیر شفا تصور کر کے سمع و طاعت کہتے ہو بلا حجت و تکرار سر اور آنکھوں پر رکھ لے۔

والذین یحاجون فی اللہ ، اور جو لوگ اللہ کے بارے میں نبی سے جھگڑا کرتے ہیں جبکہ آدمی اس بات پر اصرار کرے کہ وہ ان کی حجت باطل ہے اور ان داحضۃ عند ربہم و علیہم ، خدا تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کیلئے سخت عذاب ہے۔ غضب و دہم عذاب شدید۔

تنبیہ:- جو کچھ ہم نے اس رسالہ میں اپنے نزدیک اختصار جامع اور متانت و معقولیت کے ساتھ لکھا ہے اس کا زیادہ تر زور دہیہا کہ ناظرین محسوس فرمائیں گے، عقل کی صحت و سلامتی پر رہا ہے۔ لیکن نقل کی صحت و ضعف کے قواعد و شرائط وغیرہ سے یہاں مطلقاً بحث نہیں کی گئی جس کے واسطے اول تو علم اصول حدیث کی کتابوں کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہو گا اور اگر وقت نے مساعدت اور قلاب مطلق نے امداد فرمائی تو ہم ایک مستقل رسالہ اس موضوع کے متعلق بھی لکھ کر اہل ملک کے روبرو پیش کریں گے جس میں مولانا عبد اللہ العلامی کے رسالہ علم الحدیث پر بھی مبسوط تبصرہ کیا جاوے گا۔

وما ذاك على الله بعزیز واخود عوناً ان الحمد لله رب
العلمین ۔

الراقم
شیر احمد عثمانی ۔ عفا الله عنه

دارالعلوم دیوبند

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

یہ کتاب اور علمائے دیوبند کی دیگر تصانیف کے لئے

- | |
|--|
| ۱۔ ادارۃ اسلامیات ۱۹۰ - اشار کلی لاہور |
| ۲۔ ادارۃ الاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی |
| ۳۔ ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی |
| ۴۔ مکتبہ دارالعلوم ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی |

- | | | | |
|-----|--------------------------|-----|-----------------------------|
| ۱۔ | الانقار فی علوم القرآن | ۱۔ | نور جلال الترمذی سیرت |
| ۲۔ | سیرت رسول اکرم ﷺ | ۲۔ | عنایت خواجہ مفتی نور عثمانی |
| ۳۔ | اصلاح الفت لمعین | ۳۔ | عنایت خواجہ مفتی نور عثمانی |
| ۴۔ | حیوة الفت لمعین | ۴۔ | |
| ۵۔ | سیرت پالت | ۵۔ | نور جلال الترمذی سیرت |
| ۶۔ | انتخاب بخاری شریف (اردو) | ۶۔ | عنایت خواجہ مفتی نور عثمانی |
| ۷۔ | اکابر علماء دیوبند | ۷۔ | نور جلال الترمذی سیرت |
| ۸۔ | اسلام کا اقتصادی نظام | ۸۔ | عنایت خواجہ مفتی نور عثمانی |
| ۹۔ | اسلامی تہذیب و تمدن | ۹۔ | عنایت خواجہ مفتی نور عثمانی |
| ۱۰۔ | احکمان الشیخہ حضرت عائشہ | ۱۰۔ | عنایت خواجہ مفتی نور عثمانی |
| ۱۱۔ | آفتاب نبوت | ۱۱۔ | |
| ۱۲۔ | العلم والعلماء | ۱۲۔ | |
| ۱۳۔ | حیات شیخ الہند | ۱۳۔ | |
| ۱۴۔ | شریعت و علم یقت | ۱۴۔ | |
| ۱۵۔ | تعبیر التوفیق (اردو) | ۱۵۔ | |
| ۱۶۔ | مکتوبات نبوی | ۱۶۔ | |
| ۱۷۔ | مسائل نور کا عروج و زوال | ۱۷۔ | |
| ۱۸۔ | مدحت حکماء | ۱۸۔ | |
| ۱۹۔ | تصوف حکماء | ۱۹۔ | |
| ۲۰۔ | اصول تصوف | ۲۰۔ | |
| ۲۱۔ | حکیمیا من (مجموعہ) | ۲۱۔ | |

میں کا پتہ

ادارہ اسلامیات